تاریخ اموراتِ عام ضلع دہلی

تاریخ و آثارِ شہر دہلی پر غیر معروف و غیر مطبوعہ اور منحصر بہ فرد نو دریافت مخطوطہ پہلی بار منظر عام پر

معین الدین عقیل

ABSTRACT:

In this research article, for the first time, a rare manuscript on the city of *Delhi* titled *Zikr-e-Umooraat-e-Aam Delhi* by Ram Ji Dass has been introduced. The book was written before 1854. This is a newly discovered single copy manuscript which is preserved at the well known John Ryland Library, Manchester. This manuscript deals with ancient history and introduction of the city *Delhi*, its buildings, castles, tombs, doors, weirs, culverts, ponds etc. Due to the importance of the history of *Delhi* and its social, cultural and literary contribution to literature, this manuscript is being produced here with editing & annotation.

Keywords: *Zikr-e-Umooraat-e-Aam*, *Parganah*, *Qila*, *Maqabir*, *Saraye*, *Masjid*, *Dargah*, *Ram-Ji-Dass*.

'دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب'، واقعی --- کیا تاریخ و تہذیب، کیا رجالِ علم و ادب اور اربابِ فن وحکمت اور ان کی تعمیرات کا حسن و امتیاز! اس کا ہر حوالہ جاذبِ توجہ اور دل نشیں، اسی لیے شاعر کا اسے 'عالم میں انتخاب' کہنا اس شہر کی عین عظمت و جاذبیت اور قدر و قیمت کے لیے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اصحابِ علم و ادب اور فن کاروں نے اس شہر اور اس کے باشندوں اور اس کی تہذیب و ثقافت کو اپنے اپنے طور پر اپنے جذبہ و احساس اور فن میں جگہ دی، وہیں تاریخ نویسوں اور مصنفین نے بھی اس کو نہایت دل جمعی سے موضوع بنایا اور اپنے

رشحاتِ قلم وفن سے اس کی تاریخ وتہذیب اور اس کی عظمتِ رفتہ اور اس کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشے کو کلی اور جزوی ہر طرح اپنا موضوع بنایا ہے۔اس ذیل میں عہدِ قدیم کی جو جو تاریخیں ہندوستان کے شمالی علاقوں کی تاریخ و تہذیب یا معاشرت و سیاست پر لکھی گئیں، ان میں دہلی یا جو نام بھی اس شہر کا اپنے اپنے عہد میں رہا ہو، یہ شہر کسی نہ کسی طرح ان کا موضوع بنتا رہا ہے۔مسلم عہدِ حکومت سے قبل کے ادوار میں بھی اس شہر کا ذکر موجود ہے لیکن جب مسلمانوں نے اس علاقے کو ۱۱۹۵ء میں فتح کیا اور ۱۸۵۷ء تک یہ مسلم حکمرانی میں بہ طور دارالحکومت رہا تو اس نے شہری وانتظامی اور سیاسی ضرورتوں کی مناسبت سے،اور ساتھ ہی دور و نزدیک سے آنے والے فن کاروں اور ماہرین تعمیرات کی آماج گاہ بن جانے کے سبب، ہر اعتبار سے اس حد تک ترقی کی کہ ہندوستان کا کوئی شہر اس کا ثانی بلکہ اس سے قریب تر بھی نہیں کہا جاسکتا۔

مسلم عہد کی ہر اس تاریخ میں، جو شمالی ہند کا کسی طور پر بھی احاطہ کرتی ہے، اس میں دہلی کا حوالہ یا اس کی تاریخ وتہذیب اور سیاست و معاشرت کا احوال ضرور مل جاتا ہے، جب کہ متعدد تاریخیں تو محض اس شہر کی تاریخ و سیاست کے احوال پر یا معاشرت وثقافت کے تعارف پر لکھی گئیں، جب کہ ایسی تصانیف بھی موجود ہیں جو موضوعاتی لحاظ سے اس کے حکمرانوں، یہاں کے علما و دانش وروں، ادیبوں و شاعروں، ماہرین وفن کاروں کے تذکروں پر مشتمل ہیں، اور یہاں کی تعمیرات بھی مطالعے و تعارف کا ایک مستقل موضوع بنتی رہی ہیں۔اس شہر کی ارتقائی سیاسی تاریخ بالعموم عہد وارعصری تاریخوں میں بیان ہوتی رہی ہے،جنھیں ممتاز اور معروف مؤرخین نے اپنے اپنے عہد میں لکھا ان میں اس شہر کی عہدِ قدیم سے معاصر عہد تک کی جزوی یا ذیلی تاریخ اپنے ممکنہ حوالوں سے بیان ہوتی رہی، لیکن علی الخصوص دہلی یا اس کے عہدِ آخر کی تہذیبی تاریخ کے ضمن میں اوّلین معروف فارسی تصنیف سیر المنازل ہے جسے مرزا سنگین بیگ نے ۱۸۲۱ء کے آس پاس تصنیف کیا تھا۔یہ فارسی زبان میں تھی[۱]، جس کا ایک اردو ترجمہ شریف حسین قاسمی نے کیا اور فارسی متن کو قدرے مرتب کرکے اردو متن کے ساتھ شائع کیا۔اس سے قطع نظر یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ دہلی شہر کو علی الخصوص حیدرآباد کے نواب درگاہ قلی خان (۱۷۰۸ء۔۱۷۶۶ء) نے اپنی تصنیف مرقع دہلی میں موضوع بنایا لیکن یہ سیر المنازل سے اس طور پر مختلف تھی کہ اس میں شہر کے ساتھ ساتھ شہریوں کی معاشرتی زندگی اور ثقافتی وتہذیبی صورتِ حال پر بھی روشنی ڈالی ہے۔جب کہ دہلی کی تاریخ و آثار پر سیر المنازل اوّلین اور نسبتاً جدید انداز کی تاریخ ہے جو نوآبادیاتی دور میں لکھی گئی۔مذکورہ اردو ترجمے کے علاوہ اس کا انگریزی ترجمہ: *Delhi in Transition, 1821 and beyond, Mirza Sangin Beg's Sair-ul-Manazil*، بھی خاصی محنت و اہتمام سے شمع مترا چنائے نے کیا ہے[۲]۔اس کے فاضلانہ مقدمے میں مترجم نے اس کے قلمی نسخوں کی نشان دہی بھی کی اور ایک معلوماتی و تجزیاتی مقدمہ بھی لکھا۔موصوفہ کے مطابق اس کے چار قلمی نسخے (دہلی آرکائیوز، لال قلعہ، یوزیم، قومی کتب خانہ برلن، برٹش لائبریری لندن) معلومہ ہیں جن میں سے اپنے ترجمے کے لیے نسخۂ برلن کو انھوں نے ترجیح دی ہے۔تصاویر، کتبات اور ضمیموں کا اہتمام بھی کیا۔مترجم نے اس کا سنہ تصنیف ۱۸۲۱ء قرار دیا ہے، جب کہ فارسی مطبوعہ نسخے اور اس کے اردو مترجم نے اسے ۱۸۲۷ء کے آس

پاس کی تصنیف قرار دیا ہے۔لگتا ہے کہ سنین کا یہ فرق ظاہر ہے مترجمین کو دستیاب قلمی نسخوں کے باعث ہے۔

اس دور میں بھارتی مصنفین اور تاریخ نویسوں میں شمع مترا چنائے نے دہلی کے مطالعات کو تخصیصی طور پر اپنایا ہے۔قبل ازیں ان کی تصانیف: *Shahjahabad, A City of Delhi 1638-1857.* [۳] اور اسی موضوع پر ان کا مقالہ، مع اشتراک: چندر شیکھر: *Shahjahanabad, Seventeenth and Eighteenth Centuries Symphony Identities Plurality* [۴]، پھرحیدرآباد کے نواب درگاہ قلی خاں کی معروف قدیم فارسی تصنیف: ''مرقع دہلی'' مرقومہ: ۴۸-۱۷۴۱ء کا انگریزی ترجمہ: *Muraqqa-e Dehli, The Mughal Caoital in the Time of Muhammad Shah.* کیا[۵]۔شاہ جہان آباد پر مصنفہ نے مزید مقالات بھی لکھے ہیں اورقرون وسطیٰ کی تاریخ پر دیگر متنوع مطالعات بھی انھوں نے کیے ہیں جو قابل شمار اور قابل استفادہ ہیں۔

دہلی کی تاریخ و تہذیب پر ان قدیم تصانیف کے ذیل میں ایک اور معاصر تصنیف کا انکشاف ڈاکٹر نجیبہ عارف نے اپنے ایک مقالے میں کیا ہے، جسے''انیسویں صدی کے اوائل کی دلی: اعداد و شمار کے آئینے میں، ایک نادر دستاویز کی دریافت'' کے عنوان سے انھوں نے تحریر کیا ہے[۶]۔ یہ تصنیف ایک مربوط متن کے بجائے مختلف عنوانات کے تحت، جن میں سرکاری و دفتری ریکارڈ کے مطابق اعداد و شمار اخذ کر کے درج کیے گئے ہیں جو مردم شماری، مساجد، مکانات، اسکول، قبرستان، مزارات، سرائے، سڑکیں، کوچہ و بازار، کنویں، باغات، وغیرہ کی تعداد پر مشتمل ہے۔ یہ اندراجات بہت معلوماتی اور دل چسپ ہیں۔ان اعداد وشمار کے مرتب کا نام مخطوطے میں موجود نہیں لیکن لگتا ہے کہ اسے کسی ایسے شخص نے مرتب کیا ہے جو متعلقہ شہری محکمے میں کام کرتا ہے اور اسے کسی دفتری یا سرکاری ضرورت کے تحت مرتب کیا ہے۔یہ تصنیف غیرمطبوعہ، ایک قلمی نسخے کی صورت میں ایڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے جس کا عکس لے کر ڈاکٹر نجیبہ نے اسے مرتب کیا اورایک مقدمہ لکھ کر اس تصنیف کے مشمولات پر روشنی ڈالی ہے۔اس طرح اپنے موضوع پرایک خلا کو دراصل پورا کیا ہے۔اپنے مشمولات و مندرجات کے اعتبار سے یہ مختلف نوعیت کی تصنیف دہلی کی تاریخ وآثارقدیمہ پر ایک اہم ماخذ سمجھی جاسکتی ہے۔

ان اہم تصانیف کے کوئی بیس سال کے بعد دہلی پر قابل ذکر مثالی تصنیف آثار الصنادید ہے جسے سید احمد خاں نے بڑی محنت وجستجو سے تحریر کیا اور ۱۸۴۷ء میں شائع کروایا[۷]۔ پھر قدرے تصحیحات کے بعد یہ ۱۸۵۴ء میں دوبارہ شائع ہوئی [۸] اور بعد میں اب تک کئی بار مختلف صورتوں میں شائع ہوچکی ہے۔یہ بہت مفصل اور محققانہ تصنیف ہے ۔ اسی نوعیت کی بلکہ اس سے کہیں زیادہ مفصل، ضخیم اور معلوماتی تصنیف واقعات دارالحکومت دہلی مصنفہ بشیرالدین احمد[۹] ہے، جو دہلی کی تاریخ وتہذیب کے تمام ہی پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔دہلی کی تاریخ و تہذیب پر یہ تین علی الخصوص تصانیف قابلِ رشک محنت وجستجو سے لکھی گئی تھیں جن کی پیروی میں دیگر بہت سی چھوٹی بڑی تصانیف سامنے آتی رہیں لیکن دراصل ایسی سب تصانیف اس شہر کی تاریخ و تہذیب کے ضمن میں مذکورہ بالا تینوں تصانیف سے اخذ معلومات کا نتیجہ ہیں، جیسے: دلی کی تاریخی مساجد از عطاالرحمن قاسمی[۱۰]؛ الواح

الصنادید از عطا الرحمٰن قاسمی[11]؛ دلی کے آثار قدیمہ[12]، از ڈاکٹر خلیق انجم؛ دہلی کی درگاہ شاہ مرداں[13]،از ڈاکٹر خلیق انجم؛ دہلی کے قدیم مدارس اور مدرس[14]، از امداد صابری؛ دہلی اور اطرافِ دہلی[15]مصنفہ:حکیم عبدالحئیٰ ، بزمِ آخر ازمنشی فیاض الدین[16]؛وغیرہ، یہ بیسیوں تصانیف میں ایسی چند تصانیف ہیں جو آثارالصنادید اور واقعاتِ دارالحکومت دہلی کے بعد منظر عام پر آئیں۔لیکن یہ اور ایسی بیش تر تصانیف مطالعاتی اور تعارفی نوعیت کی ہیں جب کہ ان چند دہائیوں کے عرصے میں دہلی میں ایک دو ادبی اور طباعتی اداروں نے علی الخصوص دہلی کی معاشرت اور ثقافت پر کلاسیکی نوعیت کی قدیم کتابیں یا دہلی سے تعلق رکھنے والے صاحبِ طرز ادیبوں و انشا پردازوں کی ایسی کتابیں یا تحریریں چھاپی ہیں جن میں دہلی کی معاشرت وتہذیب کے ساتھ ساتھ دہلی یا اس کے اکابر ونمائندہ شخصیات سے متعلق ان کی یادداشتیں اور خاکے محفوظ ہوگئے ہیں جو دہلی کی تاریخ و معاشرت اور تہذیب وسوانحات کے لحاظ سے اپنی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں[17]۔

دہلی پراردوو فارسی کے علاوہ، اور مقامی طور پر لکھی جانے والی متعدد تصانیف سے قطع نظر،مغربی ملکوں میں اور انگریزی اور دیگر زبانوں میں بھی متنوع نوعیت کی کئی اہم کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔دہلی چونکہ تاریخی ومرکزی شہر ہے اور اپنی تعمیرات و آثار کی وجہ سے اپنی ایک مثالی اہمیت رکھتاہے اور اسی لیے انگریزی عہد میں اس کی تاریخ و تہذیب کے مطالعے کی خاصی حوصلہ افزائی اور سرپرستی بھی ہوتی رہی اور ساتھ ہی سرکاری منصوبے بھی اس غرض سے بنتے اور کامیاب ہوتے رہے۔اردو اور فارسی کے علاوہ انگریزی میں بھی ایسی اہم اور حوالہ جاتی نوعیت کی کوششیں ہوئی ہیں، جن میں بالخصوص مولوی ظفر حسن کاانگریزی میں منفرد کارنامہ: *List of Mohammadan and Hindu Monuments:Delhi Province.*، چار جلدیں؛ پھر دہلی کے حاکم وقت تھومس تھیوفلس مٹکاف(Thomas Theophilus Metcalf)،(۱۷۸۵ء۔۱۸۴۶ء) کی: *Reminiscences of Imperial Delhi*(۱۸۴۴ء)جیسی دیگر متعدد معاصر تصانیف دہلی کے آثار اور تعمیراتی امتیازات کو عمدگی سے متعارف کراتی ہیں۔

حالیہ عہد میں، مذکورہ نوعیت کی تاریخی اہمیت کی کتابوں سے قطع نظر سیاحتی مقاصد کے تحت بھی متعدد کتابیں لکھی اور شائع ہوتی رہی ہیں اورمغربی ممالک میں سیاحتی معلومات اور افادی اہمیت کی خوب صورت رہ نما کتابوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہر آئے دن منظر عام پر آتی رہتی ہے، جن میں اگر چہ سیاحوں کی رہ نمائی اور معلومات کے لیے ضروری اور مفید ہر طرح کی معلومات فراہم کردی جاتی ہیں، اورجن میں سے بعض کتابیں خاصی اہم باتصویر معلومات پر مشتمل ہوتی ہیں۔خاص تاریخی اور تہذیبی و معاشرتی مطالعات کے ضمن میں بھی دہلی شہر اپنی مخصوص صفات و خصوصیات کے ساتھ محققین اور مؤرخین کا موضوع بنتا رہا ہے۔اس ضمن میں بالخصوص ان چند حالیہ کتابوں کا ذکر ضرور کیا جاسکتا ہے جو اپنی معلومات اور اپنے محققانہ مطالعے وتجزیے کے لحاظ سے، بیسیوں کتابوں کے مقابلے میں خاصی محنت وجستجو سے لکھی گئی ہیں۔ان میں ایک ضخیم مجموعۂ مقالات: *Delhi Through the Ages: Essays in Urban History, Culture and Society.*، مرتبہ: آر۔ای۔ فریکنبرگ

(R.E.Frykenberg) [۱۸] اُن نہایت عمدہ اور معلوماتی مطالعات پر مشتمل ہے، جو حالیہ دہائیوں میں سامنے آیا ہے۔اس کے علاوہ درج ذیل تصانیف بھی اس زمرے میں بے حد اہم ہیں:

(ا) اسٹیفن پی۔ بلیک (Stephen P. Blake)، *Shahjahanabad: The Soverein City in Mughal India,* 1639-1739 [۱۹]۔ شاہ جہاں آباد کی تاریخ و آثار پر شمع متراچنائے کی مذکورہ بالا تصانیف سے پہلے ایک عمدہ مطالعہ مولوی ظفر حسن نے کیا تھا:

Monuments of Delhi: Lasting Splendours of the Great Mughals and Others. Vol1, Shahjahanabad. [۲۰]

(۲) آرتھر ڈوڈنی (Arthur Dudney)، *Delhi: Pages from a Forgotten History* [۲۱] عام قارئین کے لیے سیاحتی رہ نمائی کے مقصد سے جو اہم کتابیں منظر عام پر آئیں، جو بنیادی واہم مآخذ کی مدد سے لکھی گئیں اور جن میں ہر ہر مقام اور عمارتوں کی دل کش تصاویر کا بھی اہتمام کیا گیا، ان میں ایک نمایاں اور قابلِ توجہ تصنیف لوسی پیک (Lucy Peck)، کی تحریر کردہ: *Delhi: A Thousand Years of Buildings* ہے[۲۲]۔ اس نوع کی پچاسوں کتابوں میں یہ محققانہ معلومات اور پیش کش کے لحاظ سے اہم اور خاصی پرکشش تصنیف ہے۔

ان تمام تصانیف میں، اور مزید جو کتابیں دہلی کی تاریخ وتہذیب پر ماضیِ بعید میں اور ماضیِ قریب میں بھی لکھی گئیں، اپنے اپنے موضوع اور مشمولات و مندرجات کے لحاظ سے ہر ایک اپنی کوئی نہ کوئی اہمیت و انفرادیت رکھتی ہے۔ یہ ایک عام روایت ہے کہ جس زمانے میں سیر المنازل لکھی گئی، اس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے تاریخ نویسی کے اس کے نہایت قابلِ تحسین اقدام اور حوصلہ افزائی کے نتیجے میں اگرچہ مرزا سنگین بیگ نے بھی سیر المنازل کی تصنیف کا منصوبہ بنایا، جس کے پسِ پشت اس تصنیف کی انگریزی مترجم شمع متراچنائے کے مطابق دہلی کے منتظم اعلیٰ انگریز افسر ولیم فریزر(William Fraser ۱۷۸۴ء۔۱۸۳۵ء) کی ہدایت و سرپرستی شامل رہی ، کامیاب رہے اور دیگر کاوشیں بھی اس ضمن میں ہوئی ہیں لیکن قریب قریب اسی زمانے میں سید احمد خاں کی آثار الصنادید بھی لکھی گئی لیکن بلا شبہ جو محنت وجستجو اور اخلاص ولگن سید احمد خاں کی تصنیف میں نظر آتا ہے وہ مثالی ہے۔ چنانچہ جتنی کتابیں اس کے بعد لکھی گئیں وہ اس تصنیف سے اس کے مشترکہ مندرجات کی حد تک ضرور ہی استفادہ کر کے لکھی گئی ہیں۔ آثار الصنادید سے قبل یقیناً سیر المنازل بھی ایسی تصنیف ہے جو اپنے موضوع پر نہایت قیمتی اور منتشر معلومات کو یک جا کر کے لکھی گئی ہے اور بے حد مفید ہے۔اس دور میں سیر المنازل کے بعد اگرچہ آثار الصنادید ہی دہلی کی تاریخ وتہذیب پر مشتمل اہم اور دستیاب ماخذ ہے لیکن ایک اور تصنیف جو غیر مطبوعہ اور منحصر بہ فرد نسخے پر مبنی ہے، اس ضمن میں اب تک کسی کے علم اور استفادے میں نہیں رہی۔ یہاں اب اسی کا ذکر اور تعارف مقصود ہے۔

یہ نادر تصنیف ذکر اموراتِ عام ضلع دہلی ہے جسے 'رام جی داس' نے ۱۸۵۴ء میں تحریر کیا تھا۔یہی

وہ سنہ ہے جب سید احمد خاں کی تصنیف آثار الصنادید کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا تھا۔مصنف رام جی داس دہلی کے محکمۂ کلکٹری میں نائب سرشتہ دار رہا اور غالباً ملازمت سے اپنی سبک دوشی کے بعد اس نے یہ کتاب تحریر کی، جس کی ہدایت اسے اس کے افسر یا اس کے محکمے کے سربراہ کرنل جورج ولیم ہیملٹن (Col.George William Hamiltton) نے دی تھی۔چنانچہ اس نے کتاب کو لکھتے ہوئے جہاں معاصر تاریخوں سے مدد لی ہے، جس کا حوالہ بعض حاشیوں میں اس کی جانب سے مآخذ کی نشان دہی سے ہوتا ہے، وہیں گاہے گاہے عمارات اور ماحول کے تذکروں میں لگتا ہے اپنے ذاتی مشاہدات کے مدد سے بھی وہ احوال بیان کر رہا ہے۔خاص طور پر اختتامی باب میں، جہاں وہ دہلی کے رقبے اور مساحتی تفصیلات وغیرہ کو بیان کر رہا ہے، جو عام طور پر سابقہ تصانیف کے موضوعات نہیں رہے، یہاں اس کی منصبی معلومات کا بیان معلوم ہوتا ہے۔مزید تفصیلات اس نے خود اپنے بارے میں، اپنی منصبی ذمے داریوں یا اپنے حالات زندگی کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں۔بس یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۵۴ء سے قبل اپنی ملازمت سے سبک دوش ہو چکا تھا اور غالباً اس کا خاندانی یا پیدائشی تعلق مہرولی سے تھا۔

چونکہ یہ تصنیف غیر معروف رہی اور اس کے محض ایک ہی نسخے کے بارے میں راقم کو علم ہو سکا ہے، جو دہلی کے بارے میں مطالعات کرنے والے دیگر مصنفین و محققین کی نظروں میں بھی نہ آسکی، چنانچہ اس کا حوالہ کہیں نظر نہیں آتا اور یہ اسی لیے دہلی کے بارے میں شاید اب تک توجہ اور مطالعات کا ماخذ نہ بن سکی۔راقم کو اس کا واحد قلمی نسخہ مانچسٹر کے معروف کتب خانے: ''جون ریلینڈ لائبریری'' (John Ryland Library) کے اردو مخطوطات کے گوشے میں بہ ذیل 23/37 دستیاب ہوا۔عام کتابی سائز کا یہ مخطوطہ ۷۶ صفحات پر مشتمل ہے جو صاف اور اچھی حالت میں لیکن ناقص الاوسط ہے اور کسی سبب سے اس کے دو اوراق ۸ اور ۱۰ موجود نہیں ہیں یا ضائع ہو گئے ہیں۔ ہر صفحے پر ۱۲ سطریں ہیں۔قدرے شکستہ نستعلیق میں لکھا گیا ہے لیکن قلم پختہ ہے۔اب کہیں کہیں کسی جگہ روشنائی کے مدھم پڑ جانے کے سبب الفاظ صاف پڑھنے میں نہیں آتے ہیں۔ذیلی سرخیاں سرخ قلم سے لکھی گئی ہیں لیکن سرخ رنگ قدرے ہلکا پڑ گیا ہے۔سنین اکثر ہجری میں لکھے گئے ہیں لیکن ہندی سمبت اور کہیں فصلی کا استعمال بھی ہوا ہے۔ برطانوی عہد کے دوران کی تاریخیں بالعموم عیسوی سنہ ہی میں لکھی گئی ہیں۔گاہے سنین اور تعداد ظاہر کرنے کے لیے عربی ارقام کو بھی استعمال کیا گیا ہے جن میں سے بیش تر شکستہ خط میں ہونے کی وجہ سے پوری طرح قابلِ تعین نہیں ہیں۔مخطوطہ نقل کرتے ہوئے دوران متن مخطوطے کا صفحہ ختم یا مکمل ہونے پر اگلے صفحے کا نمبر شمار چوکور بریکٹ میں درج کیا گیا ہے گویا اب پچھلا صفحہ ختم ہوا ہے۔ جہاں لفظ کسی وجہ سے پڑھے نہ جا سکے وہاں جگہ خالی رکھ کر نقطے لگا دیے گئے ہیں۔

ان معروضی تفصیلات سے قطع نظر، اس تصنیف کی اہمیت یہ ہے کہ یہ دہلی شہر کی علی الخصوص ایسی تاریخ ہے جس کا مصنف اپنے منصب کے لحاظ سے ایسے محکمے کا سرکاری ملازم ہے جس نے محکمے کی شہری منصوبہ بندی کی تفویض کردہ ذمے داریوں کو ادا کرتے ہوئے جو متعلقہ علم و تجربہ حاصل کیا، اس کے مطابق اس نے اپنے افسرِ اعلیٰ کی ہدایت پر یہ کتاب تصنیف کی اور اس شہر کے ماضیِ قریب و دور کی تاریخ کے واقعات کے لیے تو معاصر تاریخوں

کو مآخذ بنایا لیکن اپنی معاصر تاریخ اور دہلی کی شہری و معاشرتی زندگی کے احوال کو اپنے ذاتی علم و مشاہدے پر منحصر رکھا، جس کی وجہ سے یہ تصنیف دہلی پر مذکورہ بالا تصانیف کے مقابلے میں ایک بنیادی ماخذ کہی جاسکتی ہے اور جسے استناد کا حامل بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ یقیناً سیر المنازل بھی اس خصوصیت سے متصف ہے اور آثارالصنادید کے موضوعات بھی اسی صفت کی وجہ سے بنیادی ماخذ کی تعریف پر پورے اترتے ہیں، جس میں مولوی بشیرالدین احمد کی ضخیم و بے حد مفصل و معلوماتی تصنیف کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے لیکن ذکر اموراتِ دہلی ان سے قدرے مختلف اور معیاری و مستند اس وجہ سے ہے کہ بعض حقائق اور معلومات کے اخذ کرنے میں مصنف نے اپنے دفتری ریکارڈ اور اپنی ذاتی معلومات اور مشاہدے سے بھی فائدہ اٹھایا ہے اور اپنے موضوعات کو، جس حد تک بھی اس نے ان کو اپنی تصنیف میں شامل کیا ہے، پیش کرنے میں صحت و سند دینے کی کوشش کی ہے یا ہم اسے قابلِ بھروسہ سمجھ سکتے ہیں۔ یہ بھی ایک وصف اس تصنیف کا اہم ہے کہ یہ اپنی متعلقہ دیگر اہم معاصر تصانیف: سیر المنازل اور آثارالصنادید کے مقابلے میں چند ایسی عمارتوں اور دیگر معلومات و عنوانات پر بھی مشتمل ہے جو ان دونوں تصانیف میں موجود نہیں اور ان کے لیے یہ تصنیف واحد دستیاب ماخذ قرار دی جاسکتی ہے اور یوں اپنے موضوع پر بے حد اہم ماخذ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

یہ تصنیف تین فصلوں پر مشتمل ہے، جو یہ ہیں: فصل اول، شہر کی تاریخ عہد قدیم سے تاریخِ تصنیف تک؛ فصلِ دوم، شہر کی عمارتوں، قلعوں، مساجد، مقابر و درگاہوں، سرائے اور دروازوں، بند اور پلوں، سرائے اور تالابوں کے تعارف و تاریخ پر؛ اور فصل سوم، احوالِ شہر و پرگنات اور شہری بندوبست کی اصطلاحات اور تشریحِ الفاظ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس تیسری فصل کے موضوعات بالعموم دہلی پر لکھی جانے والی دیگر کتابوں میں نظر نہیں آتے ہیں۔

اپنی ان صفات اور انفرادیتوں کی وجہ سے یہ تصنیف، اگرچہ مختصر ہے لیکن دہلی شہر کی تاریخ و معاشرت اور متعلقہ موضوعات کو بنیادی اور ضروری معلومات کے ساتھ سامنے لے آتی ہے اور یہ ایسی تفصیلات و جزئیات پر بھی مشتمل ہے جو عام طور پر دہلی شہر کے بارے میں لکھی گئی دیگر تصانیفِ ماضی و عصر میں نہیں ملتیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے ان معلومات سے بھی استفادہ کیا ہے جو اس نے شاید دفتری ریکارڈ سے اخذ کی ہیں۔ اس لحاظ سے دہلی کی تاریخ اور متعلقہ موضوعات پر دیگر متعدد مآخذ کی موجودگی کے باوجود زیرِ نظر تصنیف اپنی ایک انفرادیت اور اہمیت رکھتی ہے، اس لیے دہلی کی تاریخ و تہذیب پر مطالعات و تحقیقات کے لیے یہ ہمیشہ ناگزیر رہے گی۔

اسناد و حواشی:

۱ جسے اردو ترجمے کے ساتھ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی نے ترتیب و حواشی کے ساتھ مرتب کیا، مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء؛ موصوف نے اس کے آخر میں اشاریے کا بھی اہتمام کیا جو معاون ہے لیکن صرف فارسی متن کا، جب کہ اردو ترجمے کا اشاریہ اگر شامل کیا جاتا تو آج کی ضرورتوں میں مزید مفید ہوتا۔

۲ شائع کردہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، دہلی ۲۰۱۷ء

۳ منشی منوہر لال، دہلی، ۱۹۹۸ء

۴ شائع کردہ: نہرو میموریل میوزیم اینڈ لائبریری، دہلی، ۲۰۰۴ء

۵ مع اشتراک: چندر شیکھر، ڈپٹی پبلی کیشن، دہلی، ۱۹۸۹ء

۶ مطبوعہ: صحیفہ، لاہور، اکتوبر ۲۰۱۱ء۔ جون ۲۰۱۲ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ ص ص ۲۷۔۵۶

۷ مطبع سید الاخبار، دہلی، ۱۸۴۷ء

۸ مطبع احمدی، دہلی

۹ مطبوعہ شمسی مشین پریس، آگرہ، ۱۹۱۹ء

۱۰ دو حصص، مولانا آزاد اکیڈمی، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء

۱۱ دو حصص، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی، ۱۹۹۳ء۔۱۹۹۵ء

۱۲ دلی اردو اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء

۱۳ دلی اردو اکادمی، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء

۱۴ دہلی، ۱۹۷۷ء

۱۵ مرتبہ: صادقہ ذکی، دلی اردو اکادمی، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

۱۶ اشاعت اول: دہلی ۱۸۸۵ء و نیز اشاعت دوم: رحمانی پریس، دہلی، ۱۹۲۰ء

۱۷ مثال کے طور پر محض 'اردو اکادمی دہلی' نے یہ کتابیں اس ضمن میں شائع کی ہیں: بزمِ آخر (فیاض الدین)؛ دلی کا اجڑا ہوا لال قلعہ (ناصر نذیر فراق)؛ لال قلعے کی ایک جھلک (ناصر نذیر فراق)؛ نابت پنج روزہ (راشد الخیری)؛ دلی کی آخری بہار (راشد الخیری)؛ دلی کا سنبھالا (خواجہ محمد شفیع)؛ غالب کی دلی (ضمیر حسن)؛ میرے زمانے کی دلی (ملا واحدی)؛ قلعہ معلیٰ کی جھلکیاں (عرش تیموری)؛ یہ وہ چند کتابیں ہیں جو اواخر انیسویں یا اوائلِ بیسویں صدی میں مختلف وقتوں میں شائع ہوئیں اور جن میں دہلی کی معاشرت و ثقافت کو ہم مختلف صورتوں اور مختلف زاویوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

۱۸ اشاعت اول: ۱۹۱۶ء، عکسی اشاعت: آرین بکس انٹرنیشنل، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء

۱۹ دلی اردو اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء

۲۰ کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج، ۱۹۹۱ء

۲۱ ہے ہاؤس انڈیا، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء

۲۲ جسے رولی بکس، نئی دہلی نے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا

اصل سرورق

یادداشت وتحقیقات حالات دہلی ومقابر ومساجد نامی وسرائے وغیرہ
گرداگرد شہر مذکور لغایت ۱۸۵۴ء

ذکر اموراتِ عام ضلع دہلی

مصنفہ
المستدعی کمترین مہرولی، سابق نائب سرشتہ دار کلکٹری
رام جی داس

فصل اول

حال شہر دہلی

حال شہر دہلی کتبِ تواریخ ہندی و فارسی سے جس کا حوالہ بہ مقامات مناسب حاشیہ کتاب پر ثبت ہوگا [۱]، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر بہت قدیمی ہے۔ راجہ دلیپ نے کنارِ دریاے جمن بسایا تھا، جہاں اب موضع اندر پت آباد ہے اور پرانا قلعہ واقع ہے۔ دہلی حال یعنی شاہ جہاں آباد سے جانب جنوب بہ فاصلہ دو کوس کے ایسی رونق اور فضا تھی کہ راجہ اندر کا نزول وہاں ہوتا تھا اور راجہ اندر باعتقاد ہنود راجہ عالم بالائی ہے کہ خدمت نزول باراں کا تعلق اور راج کا علاقہ اسی (کا) ہے اور اندر پرستھ اس شہر کا نام تھا [۲] پرستھ لفظ سنسکرت ہے بہ معنی آبادی مانند پور اور نگر کے۔ یعنی اندر کا نگر عوام الناس کی زبان پر اندر پت جاری ہوا اور بزبان ہٰذا کا پت بھی اس معنی پر بولا جاتا ہے اور پت بہ معنی خاوند کے بھی لیا ہے بہ معنی بنانے والا اور بسانے والا اس کا اندر ہے اور بعض نے پرست کی بھی توجیہہ کی ہے کہ پرست دونوں ہاتھ سے موتی دان کرنے کو کہتے ہیں۔ سو راجہ اندر (نے) بھی اس زمانہ میں ایسا دان کیا تھا کہ اس نام سے مشہور ہوا اور توجیہ اول صاف اور بے تکلف ہے اور اب بھی اس مقام کو اندر پت کہتے ہیں کہ فی الحال ایک موضع پرگنہ جنوبی ہے اور پہلے تخت گاہِ فرماں روایانِ ہند کا شہر ہستنا پور تھا جو کنارِ دریاے گنگ واقع ہے اور وسعت اور صحت اس شہر کی بہ درجہ کمال تھی، اگرچہ اب بھی آباد ہے، الا اُس قدر نہیں ہے [۳]۔

ایام فرماں روائیِ پانڈوؤں اور کوڑوں میں کہ دونوں اولادِ راجہ بھرت میں سے تھے، تفریق ملک کی اور ہر دو حصوں کی ہوئی۔ ایک حصہ تعلق کوڑوں کے رہا کہ وہ ہستنا پور میں رہے اور دوسرا حصہ تعلق پانڈوؤں کے ہوا کہ وہ ہستنا پور میں رہے اور دوسرا حصہ تعلق پانڈوؤں کے ہوا کہ وہ اندر پت میں آکر رہے۔ بعد چندے بہ سبب تنازع ہم دگر پانڈوؤں اور کوڑوں کے اندر پت ویران ہو گیا۔

من بعد راجہ دہلو نے متصل اندر پت کے ایک شہر آباد کیا کہ اس کے نام سے دہلی اس شہر کا نام ہوا اور یہ دہلو ایک راجہ عظیم الشان تھا کہ چالیس برس اس نے راج کیا اور راجہ بکرماجیت سے تین سو برس پہلے تھا [۴]۔ من بعد راجہ انگ پال قوم تونور نے سمت ۴۲۹ یا ۴۴۰ چار سو انتیس یا چار سو چالیس بکرماجیت میں ایک قلعہ وسیع وہاں بنایا اور بعضوں نے لکھا ہے کہ سات سو تین ہجری میں ذاتیہ راجپوت نے پہلوی حصہ اندر پت آبادی کیا۔ بہ ہر حال ہونا اندر پت کا شہر قدیمی سے اور آباد ہونا اس کا آخر مرتبہ راجہ انگ پال سے واضح ہے۔ تا سہ بارہ سو بکرماجیت کے یہ مقام دار السلطنت راجگان رہا۔

من بعد ۱۲۰۰ بکرماجیت میں راے پتھورا قوم چوہان نے ایک شہر جانب جنوب اندر پت کے بہ فاصلہ قریب پانچ کوس کے سواد مہرولی میں بالاے کوہ بنوایا اور وہاں آبادی اختیار کی تا آں کہ ۵۷۱ ہجری میں ناصر الدین سبکتگین وغیرہ سلاطینِ غزنویہ رایان ہند پر اطراف غزنیں وغیرہ میں ظفریاب ہوئی۔

وآخر کار رفتہ رفتہ ۱۲۳۲ بکر ماجیت مطابق ۵۸۷ ہجری کے سلطان معز الدین سام ملقب بہ شہاب الدین غوری نے بہ اتفاق رائے راجہ قنوج جس کو رائے پتھورا سے عداوت قلبی تھی، رائے پتھورا پر غلبہ پا کر موضع تلاوڑی میں، کہ جو علاقہ کنج پورہ قریب تھانیسر سے ہے،۔۔۔کر کر قتل کیا اور شاہ موصوف نے چندے اس سرزمین میں رہ کر قطب الدین ایبک کو نائب اپنا کر کر چلا گیا۔ قطب الدین ایبک نے اسرع اوقات میں قلاع دہلی وکول وغیرہ مفتوح کر کر ۶۰۴ ہجری میں بہ مقام لاہور تخت سلطنت پر بیٹھا اور پھر دہلی میں آیا اور قصر پتھورا میں رہا۔

من بعد شمس الدین التمش ۶۰۷ ہجری میں قصر سفید میں تخت سلطنت پر بیٹھا[۵]۔اس کے بعد اس کی اولاد نے تا ۶۶۴ ہجری اسی مقام کو دار السلطنت رکھا۔ ۶۶۴ ہجری میں سلطان غیاث الدین بلبن نے بھی قصر سفید کو تخت گاہ رکھا اور اکثر کوشک لعل میں، جو ایام خانی اپنی میں بنایا تھا، رہا کرتا تھا۔ بعضے جو کوشک لعل بنایا تھا جلال الدین خلجی کا تعمیر ۶۸۹ ہجری بیان کرتے ہیں، غلط ہے[۶]۔کوشک لعل کا ہونا اس بادشاہ بلبن کے عصر سے ثابت ہے۔ چنانچہ اکثر کتب میں لکھا ہے کہ سلطان بلبن کو جو شوقِ شکار بہت تھا تو آخر شب کوشک لعل سے سوار ہوتا اور تا بہ ریواری واسطے سیر و شکار کے جاتا اور قریب ثلث شب کے مراجعت کرتا اور بیس بیس کوس تک شکار گاہیں بنائی تھیں اور یہی حال مرنے اس کے میں لکھا ہے کہ آخر شب کوشک لعل سے لگا کر مقبرہ دار الامان میں جو سلطان موصوف نے اپنی زندگی میں بنایا تھا، دفن کیا۔ وہ مقبرہ بالفعل حوالی درگاہ قطب میں متصل درگاہ مولانا جمالی واقع ہے۔

بعضے کتب میں لکھا ہے کہ اس بادشاہ نے بھی ایک شہر جدید بنایا تھا اور اسی کو مرزغن کیا تھا۔ مرزغن بفتح میم و سکون رای مہملہ و فتح رای منقوطہ و فتح عین معجمہ و نون ساکن معنی لغوی اس کے گورستان ہے[۷]۔اس سے واضح ہوا کہ مرزغن قلعہ و شہر کا نام نہیں ہے[۸]۔مراد یہ ہے کہ اسی شہر کو گورستان اپنا سمجھا۔ نشان اس قلعہ کا پایا نہیں جاتا شاید غیاث پور میں متصل درگاہ نظام الدین ہو اور جو کوٹھا وہاں بنا ہوا ہے علاوہ حصار درگاہ سے وہی عمارت سلطان موصوف ہو۔ اس بادشاہ کا بھی قلعہ پتھورا تخت گاہ رہا اور قصر سفید میں رہا۔

من بعد ۶۸۵ یا ۶۸۶ ہجری میں سلطان معز الدین کیقباد دار الملک دہلی سے اٹھ کر کیلوکھڑی میں کنار دریائے جمن (جمنا) ایک قصر بلند اور عمارت عالی بنائی کہ اب تک نشان اس کا پایا جاتا ہے اور وہاں آبادی اختیار کی اور وہ موضع نام نہاد کیلوکھڑی پرگنہ جنوبی میں آباد ہے۔ ۶۸۸ ہجری میں سلطان جلال الدین خلجی نے بھی کیلوکھڑی میں اقامت کی اور عمارت ناتمام سیری کو تمام کیا اور کنار جمن حصار کو مرتب کر کر شہر نو مشہور کیا[۹]۔ معارف اور امرائے دہلی قدیم اس کو آن کر کوشک لعل محل خاص سلطان بلبن میں لے گئے۔ الا بادشاہ موصوف نے وہاں رہنا اختیار نہ کیا اور شہر نو کو مراجعت کی اور حوالی غیاث پور امرائے مغلیہ نے سرائیں اور عمارتیں بنا کر اس کا نام مغل پورہ رکھا۔ ۶۹۵ یا ۶۹۶ ہجری میں سلطان علاء الدین خلجی نے کوشک لعل کو دار السلطنت کیا اور انجام کو اس کا مقام سیری ہو گیا[۱۰]۔ یعنی ما بعد ۷۰۳ ترک سواری کر کر سیری کو دار الملک ٹھہرا کر عمارت ہزار ستون [۱۱] بنائی اور حصار دہلی کو از سر نو تعمیر کیا[۱۲] نشان اس تعمیر و قلعہ کا موضع شاہ پور پرگنہ جنوبی میں موجود ہے۔ ۷۱۶ یا ۷۱۷ ہجری میں سلطان شہاب الدین خلجی نے قصر ہزار ستون میں اجلاس کیا۔ یہ عمارت ہزار ستون اور کوشک لعل دہلی قدیم میں و کیلوکھڑی دہلی نو ہیں۔

من بعد ۷۲۱ہجری میں غیاث الدین تغلق بادشاہ ہوا۔ دار السلطنت اس کا کوشک لعل رہا اور قلعہ تغلق آباد اس نے بنایا جو کہ بادشاہ ممدوح واسطے افتتاح ممالک کے طرف شرق کے روانہ ہوا۔ فخر الدین جونا اپنے بیٹے کو ولی عہد کر گیا۔ ہنگام مراجعت شاہ ممدوح فخر الدین جونا کی خبر مراجعت سن کر عرصہ تین روز میں ایک کوشک موضع افغان پور میں سرگروہی تغلق آباد مرتب کروایا۔ جب بادشاہ وہاں داخل ہوا سقف اس کی گر پڑی اور بادشاہ ممدوح نے دب کر انتقال کیا۔ اس کوشک کا اب کچھ نشان نہیں۔ یہ موضع شاید ادغان پور ہے جو پرگنہ جنوبی میں واقع ہے اور سر راہ شاہ ممدوح ہنگام عبور جمن واقع تھا۔

من بعد ۷۲۵ میں ملک فخر الدین جونا ملقب بہ سلطان محمد شاہ تغلق نے بھی کوشک لعل میں سلطنت کی اور کوشک سیری کو نذر مخدوم زادہ خلفاے عباسی کر دیا۔

۷۵۲ہجری میں سلطنت فیروز شاہ بادشاہ کی ہوئی۔ بادشاہ ممدوح نے بہت جگہ شہر بنائے، چنانچہ دہلی میں شہر فیروز آباد کنار دریائے جمن ۷۵۵ ہجری میں تعمیر کروایااور سہ کروہی فیروز آباد ایک کوشک معہ منارۂ جہاں نما بنایا اور فیروز آباد سے تا جہاں نما نقب ہائے وسیع یعنی تہ خانے بنائے کہ معہ بروگیان سوارہ اس میں جاتا اور دریاے جمن کو کہ دو تین کوس پرے بہتا تھا، کاٹ کر نیچے فیروز آباد کے جاری کیا۔ اس بادشاہ نے اپنے عہد میں بہت سے بند اور چاہ اور پل اور نہریں اور کوشک اور مدرسہ اور دار الشفا وغیرہ عمارات مفید العام بنائے کہ تفصیل ان کی دہلی میں مرقوم ہے اور اب تک عمارات مذکور کے اکثر جگہ نشان پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ذکر ان کا ہر ایک مقام مناسب پر آئے گا۔ شہر فیروز آباد وغیرہ (تین سو ایک)، مسجد جامع (چالیس)، مدرسہ (تیس)، خانقاہ (بیس)، پل (سو)، نہر (ایک سو پانچ)، کوشک (ایک سو)، چاہ (ایک سو پچاس)، حمام (دس)، دار الشفا (پانچ)، مقبرہ (ایک سو)، منارۂ کلاں (دس)، باغات (بے شمار)۔ اس بادشاہ کی سلطنت سے فیروز آباد تخت گاہ اور دار السلطنت ہوا۔ درمیان میں کہ ایام تزلزل سلطنت ناصر الدین محمود میں امیر تیمور صاحبقراں دہلی میں آئے اور خضر خاں کو یہاں چھوڑ گئے تو خضر خاں نے خضر آباد کنارہ دریاے جمن پر ۸۲۴ہجری میں بنایا[۱۳] اور بعد اس کے مبارک شاہ بادشاہ نے ۸۳۶ہجری میں ایک شہر نام مبارک آباد بنایا[۱۴] اور ۸۳۷ہجری میں انتقال کیا۔ نشان مبارک آباد کا کہیں پایا نہیں جاتا۔ کہتے ہیں کہ مبارک پور کوٹلہ جو ایک موضع پرگنہ جنوبی ہے، مبارک آباد تھا۔

۹۳۸ ہجری میں ہمایوں بادشاہ خاندان تیموریہ نے قلعہ اندر پت کو از سرنو تعمیر کیا اور قلعہ دین پناہ نام رکھا[۱۵] اور دار السلطنت اپنا کیا۔ فیروز آباد متروک ہو گیا۔ اور بعضے کتاب میں ۹۴۴ہجری میں تعمیر قلعہ دین پناہ لکھی ہے۔ یہی درست معلوم ہوتی ہے۔ ابتدائے سلطنت شاہ ممدوح ۹۳۸ ہجری تھی یا ۹۴۴ہجری افتتاح ممالک میں رہی۔ اگرچہ طبقہ سلاطین ہر عہد نے شہر اور قصر علیحدہ علیحدہ بنائے بہ مقامات مختلف الآخر کار وہیں آ کر آبادی ہوئی جہاں پہلے تھی اور یہ سب شہر متصل بہم پانچ چھ کوس کے احاطے میں ہیں اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک بادشاہ کے نام جو ایک شہر لکھا گیا ظاہراً کچھ آبادی شہر ہر ایک جا نہیں ہوئی مگر یہ کہ ہر ایک بادشاہ نے ایک قلعہ یا قصر اپنے نام سے بنایا۔ نشان آبادی کا ہر ایک جگہ کثرت سے نہیں ہے، بجز دو تین مقام کے۔ یعنی دہلی قدیم حوالی اندر پت تا درگاہ

نظام الدین، دوسرے قلعۂ علائی، تیسرے فیروز آباد۔

من بعد شیر شاہ افغان نے مسلط ہو کر چند روز حکومت کی اور اس عرصہ میں عمارت ہمایوں بادشاہ اور اکثر عمارات قلعہ علائی کو ویران اور خراب کر کر متصل اس کے ایک قصر بلند بنایا اور شیر منڈل اس کا نام رکھا اور متصل اندر پت ایک شہر جدا آباد کیا[۱۶]۔

لعل دروازہ شہر کہنہ سے تا کابلی دروازہ،

یہاں صفحات: ۱۲۔۱۳ موجود نہیں

پانچواں جوہری بازار اور شاہ نہر بازار چاندنی چوک کے وسط میں جاری کروائے کہ جوہری بازار اور اردو بازار ہوتے ہوئے چھتہ کیم بود کے نیچے سے دریا میں جا ملے اور چھتہ کیم بود کے اوپر وہ نہر بہتی ہے جو قلعہ مبارک کے اندر گئی ہے اور یہ شہر سرحد مواضعات اندہاونی ۔ ۔ ۔ اور جہاں نما کی سرحد میں واقع ہے۔ الا اب اراضی متصرفہ شہر شامل پیمائش مواضعات کمپاس وغیرہ میں نہیں ہے، صرف مزدوری تعمیر قلعہ مبارک و دولت خانہ وغیرہ سوائے قیمت سنگ وغیرہ احجارِ نفیسہ، حسبِ تفصیل ذیل ہے:

قلعہ معلیٰ	پچاس لاکھ
دولت خانہ خاص عام،	دو لاکھ پچاس ہزار
باغ جنت بخش وحمام،	تین لاکھ
منازل بیگمات،	سات لاکھ
چوک وغیرہ،	سات لاکھ
حصار،	پانچ لاکھ
سقف نقرہ	پچاس لاکھ
کل	ایک کروڑ چوبیس لاکھ پچاس ہزار

بعد اس کے ۲۴ جلوسی میں اساس مسجد جامع پڑی اور ۳۰ جلوسی میں تیار ہو چکی۔ دس لاکھ خرچ تعمیر اس کا ہوا۔ شاہ ممدوح کے زمانہ میں اکثر امرائے معزز اور اہلکارانِ خاص کو اندرونِ شہر اراضی واسطے مسکنت کے ملی اور سب باہر پرانے شہر میں بستے تھے اور بعض بعض قریب شہر نو آباد ہوئے اور بہر مرورِ زماں اور عہد بادشاہاں ما بعد کچھ باہر آباد رہے کچھ اندر آ رہے۔ اب عرصہ زائد ایک سو برس سے بہ سبب ہنگام جات نادر شاہی وغیرہ کے شہر کہنہ بالکل ویران ہو کر اندرون شہر نو آباد ہو گیا۔ اکثر آبادیاں پرانی بیرون شہر اب بھی آباد ہیں، مثل پہاڑ گنج، سبزی منڈی، ملکا گنج، تتلی واڑہ، بہاری و۔ ۔ ۔ مغل پورہ، درگاہ نبی صاحب۔ علاقہ شمال میں عرب سرائے، عظیم گنج، درگاہ نظام الدین، ضابطہ گنج، جسکہ پورہ، باغ کلاں، رکاب گنج، قلعہ کہنہ علاقہ جنوبی میں آباد ہے۔ خلائق وسط شہر میں نسبت بہ اطراف زیادہ ہے۔ جانب جنوب اکثر کنوؤں میں پانی شور و بے مزہ اور جانب شمال اکثر شیریں اور سرد و خوش ذائقہ۔ خصوصاً جب سے فیض نہر جاری ہوئی اور کورادر نہر کا جناب شمال ہی کو ہے کہ کابلی دروازہ شہر سے

یہاں صفحات: ۱۶۔۱۷ موجود نہیں۔

فصل دوم

عماراتِ شہر

قلعے

قلعہ معلیٰ

[۱۷] ۔۔۔۔۔۔اور گھروندہ اور اقوام متفرق بستے ہیں اور آبادی موضع اندر پت بھی ہے اور سوانہ اندر پت میں واقع ہے اور دیوار قلعہ شکستہ و سالم موجود ہے۔ مدت تعمیر اول ۱۳۲۵ سال اور تعمیر ثانی ہمایوں بادشاہ ۱۴۷۵۔

قلعہ راے پتھورا۔

یہ قلعہ بھی شاہ جہاں آباد سے طرف جنوب بہ فاصلہ سات کوس کے واقع ہے۔ سرحد موضع مہرولی میں سمت ۱۲۰۰ بکرماجیت میں راے پتھورا [۱۸] نے بنایا تھا۔ اب بھی کہیں کہیں [۱۹] فصیل و بروج اس کے قائم ہیں اور بالکل ویران ہے۔ ملحق اس کے آبادی مہرولی ہے۔ پرگنہ جنوب میں مدت تعمیر حساباً سات سو چار برس۔

قلعہ مرزغن۔

۶۶۶ ہجری میں سلطان غیاث الدین بلبن نے بنایا تھا۔ کچھ صحیح نشان اس کا موجود نہیں مگر کتبِ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ متصل درگاہِ نظام الدین، جو بہ فاصلہ ڈھائی کوس شاہ جہاں آباد سے جانب جنوب ہے، واقع ہے۔ اسی صورت میں غالب ہے کہ جو گوٹ متصل آبادی درگاہ نظام الدین ہے وہ یہی ہے اور وہ موضع جس کی سرحد میں یہ واقع ہے، غیاث پور مشہور ہے [۲۰]۔ تعلق پرگنہ جنوبی الا آبادی غیاث پور ایک اور مکان میں ہے جو چوکھنڈی مشہور ہے۔ مدت تعمیر ۵۹۷ برس۔

قلعہ کیلوکھڑی۔

ساحل دریائے جمن، بر جانب جنوب شاہ جہاں آباد، بہ فاصلہ تین کوس واقع ،معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ ہجری [۲۱] میں بنایا اور کیلوکھڑی نام اس کا پہلے سے ہے اور سلطان جلال الدین خلجی کے بعد علاء الدین خلجی نے اس کو مکمل اور تمام کیا۔ اب بھی کھنڈر موجود ہیں اور اسی مقام میں آباد ہے [۲۲]۔ گاؤں کیلوکھڑی پرگنہ جنوبی کے ہے۔ مدت تعمیر ۵۷۷ برس۔

قلعہ علائی۔ [۲۳]

جنوبی شاہ جہاں آباد، بہ فاصلہ پانچ کوس کے متصل درگاہ چراغ دہلی، علاء الدین خلجی نے ۶۹۵ ہجری میں بنایا اور 'سری' بھی اسی کا نام ہے ۔اب تک نشان اس قلعہ کا دیوار ہاے شکستہ و سالم و مکانات موجود ہیں اور اندرون اس قلعہ کے آبادی موضع شاہ پور، پرگنہ جنوبی [۲۳] واقع ہے ۔مدت تعمیر ۵۶۳ برس۔

قلعہ تغلق آباد۔

جنوبی شاہ جہاں آباد بہ فاصلہ چھ کوس اور قلعہ رائے پتھورا سے طرف شرق بہ فاصلہ تین کوس غازی ملک تغلق شاہ نے بنایا تھا۔ یہ قلعہ بہت مستحکم و استوار بنایا تھا۔ پہاڑ کے اوپر ۷۲۱ہجری میں یہ قلعہ بہ تصرف راجہ نائر سنگھ والئی بلب گڑھ ہے[۲۴]۔ اور زمینداران موضع تغلق آباد اس میں بستے ہیں۔ گوجراں، دزدی، پنبہ وغیرہ مجرمان کا بست و پناہ ہے۔ مدت تعمیر ۱۴۱۵سال۔

قلعہ فیروز آباد۔

نصف گروہی قلعہ شاہجہانی طرف جنوب لبِ دریائے جمن واقع، فیروز شاہ بادشاہ نے ۷۵۵ ہجری میں بنایا تھا ۔نشان اس کا اب بھی موجود، کسی کسی طرف کی دیوار اور نشان عمارات اب بھی قائم ہے[۲۵]۔ مدت تعمیر ۵۰۸ برس۔

خضر آباد۔

شاہ جہاں آباد سے چھ کوس جانبِ جنوب کنارِ دریائے جمن پر واقع ہے۔ نشان اس کا بجز ایک باغ کے کچھ نہیں پایا جاتا۔ زمینداران خضر آباد عرف بکھولہ، تعلق جنوبی اس میں آباد ہیں۔ خضر خان نے ، جس کو امیر تیمور چھوڑ گئے تھے ، بنایا تھا[۲۶]۔ متصل اس کے موضع اوکھلہ میں ایک مقبرہ مشہور خضر کی گمٹی واقع ہے[۲۷]۔ وہ شاید اس بادشاہ کی قبر ہو اور بھی مکانات کے نشان اس طرف ہیں ۔۸۴۴ ہجری میں بنایا تھا۔ مدت تعمیر ۴۳۹ سال ۔

مبارک آباد۔

اس کو لوگ مبارک پور کوٹلہ کہتے ہیں۔ جنوبی شاہ جہاں آباد بہ فاصلہ چار کوس واقع ہے۔ کچھ صورت قلعہ کی نہیں معلوم ہوتی ،الا ایک مقبرہ موجود ہے۔ گرد اس کے فصیل قائم ہے ۔زمینداران مبارک پور کوٹلہ پرگنہ جنوبی اس میں رہتے ہیں۔ مبارک شاہ بادشاہ نے ۸۳۴ ہجری میں بنایا[۲۸]، ۴۲۷ برس ہوئے مکانات مندوی وغیرہ تو وہاں موجود ہیں ۔

قلعہ سلیم گڑھ۔

یہ قلعہ اب نور گڑھ مشہور ہے اور شمالی قلعہ شاہ جہاں میں واقع ہے۔ ملحق قلعہ، جن میں جمنا بہتی تھی ،نشان اس قلعہ کے سب موجود ہیں ۔سلیم شاہ نے ۹۵۳ ہجری میں[۲۹] بنایا تھا۔ مدت تعمیر ۶۱۰ برس ۔

قلعہ نرانیہ۔

یہ جو قلعہ لکھے گئے، ہر ایک بادشاہِ عصر نے بنائے۔ الا ایک قلعہ نرانیہ کا حال کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کس نے کب بنایا اور اب تک وہ قلعہ کوہ پر جانب غرب وجنوب شاہ جہاں آباد، بہ فاصلہ چار کوس کے واقع ہے۔ زمینداران موضع نرانیہ پرگنہ جنوبی کا مسکن ہے اور بہت پائیدار اور استوار اور دشوار گزار تھا ۔حصار و بروج اس کے اب تک موجود ۔اس کا حال کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا ۔الا ۱۲۵۸ ہجری میں ایک چاہ کہنہ موضع مدگور کے دہن برستے وقت ترمیم کنویں کے ایک پتھر نکلا تھا جس پر قریب تیرہ سطروں کے بخط شاستر کندہ متن اور بہ سبب فرسودگی کے صاف عبارت نہیں پڑھی گئی۔ صرف اتنا پڑھا گیا کہ بوس سدی (؟) جودس سمت ۱۲۸۴ ہے ۔اب وہ پتھر نہیں ملتا۔

زمینداروں نے معلوم نہیں کس اندیشہ سے اس کو چھپا دیا۔ زمینداران ۔ ۔ ۔ سے معلوم ہوا کہ چار کنویں قلعہ کے ساتھ بنے ہوئے تھے۔ازاں جملہ ایک کنواں یہ تھا۔ اس حساب سے مدت تعمیر اس کی چھے سے انیس برس ہوئی اور عصر تعمیر اس کا عہد ناصر الدین محمود التمش کا پایا جاتا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ قلعہ انگ پال کا بنایا ہوا ہے۔قلعہ از نگ پور کے ساتھ بنا تھا کہ وہ قلعہ اب علاقہ راجہ بلب گڑھ میں ہے۔

قصر سفید۔

جو محل شمس الدین التمش کا مذکور ہوا، یہ قصر درمیان قلعہ رائے پتھورا واقع ہوگا[۳۰]۔ اب نشان اس کا کچھ موجود نہیں، ۶۰۴ ہجری کے بعد بنا ہوگا[۳۱]۔

کوشک لعل۔

جو سلطان غیاث الدین بلبن وغیرہ بادشاہوں کا مسکن رہا۔ اس کو سلطان بلبن نے قبل از ۶۶۶ ہجری، عہد خانی اپنے میں بنایا تھا، جس کو عرصہ ۵۹۹ برس سے زیادہ ہوتا ہے۔ غالب یہی کہ یہ وہ مقام ہو کہ جہاں خان پور مقبول آباد عرف کسک ایک موضع پرگنہ جنوبی آباد ہے، بہ فاصلہ تین کوس جنوبی شاہ جہاں آباد ایک کوشک عالی وہاں بنا ہوا موجود ہے۔ غلط العام سے کسک مشہور ہوگیا[۳۲]۔ بعضے لوگ تعمیر اس کی کو جلال الدین خلجی سے نسبت دیتے ہیں۔ ۶۸۹ ہجری کی تعمیر بھی غلط معلوم ہوتا ہے[۳۳]۔

ہزار ستون۔

اس عمارت کا بجز نام کے کچھ نشان پیدا نہیں ہے۔علاؤ الدین خلجی نے مابعد ۷۰۳ ہجری یہ عمارت بنائی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ سلطان ناصر الدین محمود نے ۶۴۴ ہجری میں بنایا اور اس کے زمانہ میں ناتمام رہا۔سلطان غیاث الدین بلبن نے اس کو پورا کیا[۳۴] اور بھی ایک قصر ہزار ستون تعمیر کردہ سلطان محمد شاہ تغلق کہتے ہیں جو متصل قلعہ تغلق آباد واقع ہے کہ اس نے بعد ۷۴۵ ہجری کے بنایا اور ۷۴۸ ہجری میں تمام کیا۔ قصر اول کو عرصہ ۵۶۰ برس کا ہوا اور قصر ثانی کو عرصہ ۵۳۵ برس کا۔ اس کا نشان متصل تغلق آباد کچھ کچھ موجود ہے۔ الغرض ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عمارت بلند قصر شاہی کا نام ہزار ستون رکھا گیا، جیسے اب بارہ دری وغیرہ بناتے ہیں۔

شیر منڈل۔

شیر شاہ نے ایک عمارت مرتفع بہ طور جہاں نما کے بنایا تھا، اس کا نام شیر منڈل مشہور ہوا۔منڈل ہندی میں ایک مکانِ مدور کو کہتے ہیں اور شاید دراصل منزل لفظ عربی غلط العام زبان ہند سے منڈل مشہور ہوا، جیسا کہ بجی منڈل کہ دراصل نام اس کا بدیع منزل تھا۔ یہ مکان شیر منڈل متصل مسجد قلعہ کہنہ موجود ہے۔ ہمایوں بادشاہ نے اپنے عہد سلطنت میں اس کو کتب خانہ اپنا بنایا چوں (کہ) شوق علم ریاضی اس بادشاہ کو بہت تھا واسطے اختر شناسی اور دیکھنے اوضاع فلکی کے جو ایک دن وقت شام اس پر چڑھا اور بانگ اذان سن کر ارادہ اترنے کا کیا، لغزشِ پا سے گر کر انتقال کیا[۳۵]۔

بجی منڈل۔

یہ ایک عمارت بہ طور جہاں نما کے سرحد موضع کالوسرائے پرگنہ جنوبی میں بہ فاصلہ پانچ کوس کے واقع ہے۔ بعضے لوگ بیان کرتے ہیں کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے جو کوشک موضع افغان پور میں بنایا تھا ۷۶۷ ہجری میں، یہ وہی ہے۔ سو خلافِ قیاس ہے کوئی موضع افغان پور یہاں نہیں ہے اور یہی سلطان مذکور ۷۵۲ ہجری میں مر چکا تھا۔

کوٹلہ فیروز شاہ۔

عرف کوٹلہ گدائی۔ یہ مکان متصل قلعہ فیروز آباد واقع ہے کہ اب بالکل کھنڈر ہے۔ بنایا ہوا فیروز شاہ بادشاہ کا ساتھ فیروز آباد کے ۵۰۸ برس کا[۳۶]۔

لاٹھ فیروز شاہ۔

یہ منارہ ایک کوشک واقع فیروز آباد پر قائم ہے۔ طول اس کا بعضوں نے ساٹھ گز لکھا ہے لیکن فی زمانہ طول اس کا جتنا ظاہر زمین پر ہے قریب اٹھارہ گز ہندوستانی کے ہے اور دور اس کا نیچے سے قریب چار گز کے ہے اور گورنڈ کے پتھر کا کہتے ہیں۔ اس لاٹھ پر شاشتری خط سے کچھ کندہ ہے۔ تھوڑی سی عبارت پڑھی گئی، وہ یہ ہے:

''سدھ سری بکر ماجیت سمت ۱۲۲۰ بیساکھ سدی پندرس سوا سون لگنی بشن داس نرائن شاہ بہادر معز الدین کجو داد عمر دراز مقیاس شرف۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معز الدین بن شام نے، جس زمانہ میں کوہ شوالک شمالی ہندوستان کو تاراج کیا ہے، اسی زمانہ میں اس لاٹھ پر کہ پہلے اسی مقام پر تھی اور ہندو اس کو پوجا کرتے تھے، یہ عبارت کھودوادی ہے اور حقیقت اس لاٹھ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کوہ کمادن کے پاس دو لاٹھیں گڑی ہوئی تھیں اور ہندو یہ بات کہتے تھے کہ یہ دو لاٹھیں ہمارے دیوتاؤں کی گائے چرانے کی لاٹھیاں ہیں اور اسی اعتقاد سے ہزاروں اس کی پرستش کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب یہ لاٹھیں یہاں سے اٹھ گئیں تو قیامت آ جائے گی۔ فیروز شاہ نے یہ بات سن کر ہندوؤں کے اعتقاد جھوٹ کرنے کو ایک لاٹ کو توڑ ڈالا اور دوسری کو یہاں لا کر گاڑا۔ جب سے فیروز شاہ کی لاٹھ مشہور ہوگئی[۳۷] اور بعضوں نے لکھا ہے کہ چار لاٹھیں تھیں۔ ایک فیروز آباد میں نصب کی، دوسری جہاں نما میں، تیسری حصار فیروزہ میں، چوتھی فتح آباد میں۔ منارہ جہاں نما ٹوٹ گیا۔ مسٹر ولیم فریزر صاحب بہادر کمشنر مرحوم نے اسی عہد میں اس کے ٹکرے کلکتہ کو بھجوائے۔ دو لاٹھ کا ہونا تو اس شہر میں ثابت ہے اور فتح آباد وغیرہ کا حال معلوم نہیں۔ پہلی روایت میں جو دو لکھے ہیں اور ایک کا توڑ ڈالنا، یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔

لاٹھ قطب۔

جو شاہ جہاں آباد سے سات کوس طرف جنوب سرحد، سرحد یوسف سرائے یا تمبار (؟) میں واقع ہے۔ حقیقت اس کی یہ معلوم ہوئی کہ یہ منارہ 'مسجد قوت الاسلام' کا ہے۔ پہلے اس مقام پر بت خانہ رائے پتھورا کا تھا، چنانچہ اب بھی ہر ایک سنگ عمارت پر نقوش و تصاویر بتوں کی بگڑی ہوئی موجود ہیں۔ سلطان معز الدین شام ملقب بہ شہاب الدین غوری نے اپنی حکومت میں قبل از ۵۸۷ ہجری اس بت خانہ کو خراب کر کر بنائے مسجد عالی رکھی اور بہ اہتمام قطب الدین ایبک ۵۹۲ ہجری میں وہ مسجد تمام ہوئی۔ چنانچہ دروازہ شرقی درجہ اوسط مسجد مذکور پر جو کتبہ

لکھا ہے اس میں نام معز الدین کا اور ۵۸۷ ہجری لکھے ہیں اور ایک دروازہ شمال پر نام اس کا اور ۵۹۲ ہجری کندہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک درجہ پیچ کا سلطان معز الدین نے بنایا بعد اس کے سلطان شمس الدین التمش نے۔ جب دراست اس کی دو درجہ اور بڑھائی اور منارہ بھی اسی کے عہد میں تعمیر ہوا، چنانچہ ایک درجہ کے ایک در پر ۶۲۷ ہجری میں یہ عبارت عربی کندہ ہے۔ بعد اس کے دو درجہ سلطان جلال الدین خلجی نے ۷۱۱ ہجری میں اور بنائی اور ایک لاٹھ اس سے بھی بڑی جانب شمال بنانی شروع کی کہ وہ نا تمام رہی۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ اس مسجد کو شمس الدین التمش نے بنا کرُ قوت اسلام ٗ نام رکھا اور یہی مادہ تاریخ ہے کہ ۷۳۸ ہجری ہوتے ہیں۔ یہ قیاس غلط ہے۔ سلطان مذکور ۷۲۶ ہجری میں دو درجہ بنا چکا تھا اور ۶۳۲ ہجری میں مر گیا تو ۶۳۸ ہجری کیا پہنچتے۔ بعد سلاطین مذکور مرمت شکست ریخت اس کی ہوتی رہی اور بادشاہوں کے عہد میں اول عہد فیروز شاہ میں آفتاب برق سے نقصان آ گیا تھا کہ ۷۷۰ ہجری میں بادشاہ ممدوح نے اس کی مرمت کروائی۔ کتبہ اسی فیروز شاہ مینار مسطور پر درج ہے۔ پھر سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودھی نے ۹۰۹ ہجری میں مرمت کی کہ اس کا بھی کتبہ مینار مذکور پر درج ہے۔ من بعد حکام عالی مقام صاحبان عالی شان نے عرصہ بائیس برس کا ہوا کہ بہ اہتمام اسمت صاحب کدہ کپتان مرمت اس کی کروائی۔ کتبہ میں ہے کہ سات درجہ اس مینار کے تھے، اب پانچ درجہ ہیں۔ بلندی اس مینار کی اسّی گز کے قریب ہے۔ جڑ کی موٹائی پچاس گز ہے اور اوپر سے دس گز ہے۔ یہ پہلے درجہ میں ۱۵۶ ہیں، دوسرے میں ۸۷، تیسرے میں ۶۲، چوتھے میں ۴۱، پانچویں میں ۴۱۔ کل تین سو اٹہتر۔

لاٹھ سکندر۔

یہ مینارہ نا تمام۔ مجادی منارہ اول جانب شمال واقع ہے۔ سلطان جلال الدین خلجی نے ۷۱۱ ہجری میں بنانا شروع کیا تھا اور دور اس کا پہلے مینارہ سے زیادہ کیا تھا۔ الا نا تمام رہا۔

لاہی کی لاٹھ۔

یہ لاٹھ صحن مسجد میں واقع ہے۔ مقابل در اوسط مسجد جو ابتدا میں معز الدین شام نے بنایا تھا۔ طول اس کا قریب تیس فٹ کے اور موٹائی جڑ کی قریب دو گز کے۔ کچھ حال اس کا بہ خوبی معلوم نہیں ہوتا۔ اتنا معلوم ہوا ہے کہ پہلے بنانے مسجد سے بت خانہ میں گڑی ہوئی تھی [۳۸] جو کہ بیچ میں مسجد کے آ گئی۔ بانیانِ مسجد نے بھی اس کو رہنے دیا کہ بہ طور شاھں کے رہے۔

احوال مساجد نامی

مسجد گھر کی۔

یہ مسجد عجیب قطع کی بنی ہوئی ہے اور بہت مستحکم و پائیدار ہے [۳۹]۔ شاہ جہاں آباد سے چھ کوس فاصلہ پر سمت جنوب واقع ہے اور آباد ہے۔ موضع گھر کی اس میں ہے۔ خان جہاں تلنگی نے عہد فیروز شاہ بادشاہ میں بنائی تھی۔ زمان تعمیر ۷۷۶ ہجری معلوم ہوتا ہے [۴۰] اور کہتے ہیں کہ اسی شخص نے اسی طرح کی سات مسجدیں بنائی تھیں۔ ایک

یہ ہے، ایک سرحد موضع بیگم پور، کہ آبادی بیگم پور اس میں ہے۔ تیسری، متصل اوسگی، موضع کالوسرائے میں، آبادی کالوسرائے اس میں واقع ہے۔ یہ کچھ ٹوٹ گئی ہے۔ چوتھی، درگاہ نظام الدین کے کوٹلہ کے باہر ہے۔ پانچویں، بیرون گھر کی فراش خانہ کہ وہ بالفعل تصرف گدہ کپتان صاحب میں ہے۔ چھٹی متصل کوٹلہ فیروز شاہ کی، کہ وہ بھی بہت منہدم ہو گئی ہے۔ ساتویں، کالی مسجد کہ اصلی نام مسجد کلاں ہے۔ اندرون شہر شاہ جہاں آباد، متصل برکھان دروازہ اور قبر خان جہاں تلنگی کے اندرون کوٹلہ درگاہ قدم شریف (میں) واقع اور خطیرہ خان جہاں کے نام سے پہلے ایک گاؤں تھا کہ وہ اب کاغذات کہنہ میں بہ تصرف شہر کہنہ میں لکھا ہوا ہے۔

مسجد مولانا جمالی۔

متصل در گاہ منار قطب۔ مسجد بزرگ ہے اور درگاہ مولانا جمالی کے ساتھ کی بنی ہوئی ہے[۴۱]۔

مسجد درگاہ نظام الدین۔ متصل درگاہ واقع بر کلاں ہے۔ خضر خاں پسر علاء الدین خلجی نے بیچ کا درجہ بنایا تھا بعدہ سلطان محمد شاہ تغلق نے دو برج اور بنوائے۔ مسجد تعمیر اس کی ۷۲۵ ہجری کی تختی کے حساب کے رو سے ہوتی ہے[۴۲]۔

مسجد قلعہ۔

ہمایوں بادشاہ نے قلعہ کہنہ کے ساتھ اس مسجد کو بنوایا اندر قلعہ کے واقع ہے اور بہت بلند بھی۔ سالِ بنا اس کا وہی ۹۳۸ ہجری ہے جو سال تعمیر قلعہ ہے[۴۳]۔

مسجد جامع۔

شہر شاہ جہاں آباد کے اندر بھی کئی مسجدیں بڑی ہیں۔ مسجد جامع عالی شان اور اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ ۱۰۶۰ ہجری میں شاہ جہاں بادشاہ نے بنوائی۔ تعمیر اس کی بالکل سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے ہے اور برج بالکل سنگ مرمر کے ہیں[۴۴]۔

مسجد اکبر آبادی۔

مشہور مسجد اکبر آبادی ۱۰۶۰ ہجری میں یہ مسجد اکبر آبادی بنی کہ خواصانِ شاہ جہاں میں سے تھی۔ ۲۴ جلوس عہد شاہ موصوف میں بنوائی۔ اب یہ مسجد بصیغہ توکل احسنی تصرفِ اہالیان سرکار میں ہے اور خرچ مصارف اس کا اندریں کرایہ دکاکین وحجرات وغیرہ سے رہتا ہے[۴۵]۔

مسجد فتح پوری۔

یہ مسجد فتحپوری نے کہ وہ بھی خواصانِ بادشاہ ممدوح تھی، اسی عہد میں بنوائی اور یہ مسجد بھی بہ طور مسجد اول بصیغہ توکل احسنی ہے اور بالکل سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے۔ متصل لاہوری دروازہ واقع ہے[۴۶]۔

زینت المساجد۔

دریا گنج میں متصل گھر کی بہادر علی خاں طرف جنوب قلعہ نواب زینت محل بیگم بنت اورنگ زیب عالمگیر نے بنائی[۴۷]۔

مسجد عالی۔

سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے بنی ہے۔ تیاری اس کی ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ مع عاقبت خانہ دوکاکین و حجرات متعلقہ صادر دارد۔ یہ بھی بصیغہ توکل احسنی بنی۔

موتی مسجد۔

یہ مسجد اندرون قلعہ شاہ جہانی کے ہے۔اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ نے سنگ مرمر سے بہ صرف ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ کے بنوائی تھی [۴۸]۔

مسجد اورنگ آبادی۔

یہ مسجد معہ کٹرہ دوکاکین جو بالفعل اب پنجابی کٹرہ اور میووں کا کٹرہ معروف ہے۔ اورنگ آبادی خواصانِ محمد شاہ میں سے تھی۔ اس نے بہ صرف چوہتر ہزار روپیہ کے زر خالص اپنی سے سنگِ سرخ سے بنوائی [۴۹]۔

مسجد روشن الدولہ۔

متصل چبوترہ کوتوالی۔ یہ مسجد طلائی مشہور ہے۔ بورج اس کے تختہ ہائے مسی ملمع طلائی سے پوستین کٹے ہوئے ہیں۔ اس کو روشن الدولہ نے عہد محمد شاہ میں تیار کیا [۵۰]۔

مسجد شرف الدولہ۔

یہ مسجد عالی بازار دریبہ میں واقع ہے۔سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے عہد محمد شاہ بادشاہ میں [۵۱]۔

سنہری مسجد۔

متصل راج گھاٹ۔ یہ مسجد بہت خوبصورت سنگ باسی (؟) نجفہ سے بنی ہوئی ہے۔ بہت خوش قطع ہے۔ بروج اس کے بھی مثل مسجد روشن الدولہ مطلا ہیں۔ الا اب بروج اس کے واسطے مرمت کے اتار لیے ہیں۔ تغلق بادشاہی عہد احمد شاہ بادشاہ میں بنی۔۱۱۶۴ہجری کی بنی ہوئی ہے [۵۲]۔

مسجد غازی الدین خان۔

اندرون مدرسہ تعمیر کردہ نواب غازی الدین خان، بیرون اجمیری دروازہ دہلی واقع ہے۔ مسجد عالی سے پہلے حصار شہر سے باہر تھی۔ اب صاحبانِ عالی شان نے قبر و احاطہ فصیل بڑھا کر اس مدرسہ کو داخل شہر کر لیا ہے۔ اول اول جو من جانب سرکار مدرسہ واسطے درس و تدریس طلبہ کے مقرر ہوا، ۱۸۲۴عیسوی میں یہی مدرسہ بنی [۵۳]۔

احوال مقابرِ معروف

سواد دہلی قدیم میں مقبرہ عہد پٹھانوں کے کثرت سے ہیں۔ کہاں تک ان کا حال درج ہووے۔ الا جو عمدہ عمارت سے یا سلاطین سلف کے متحقق ہوئے ان کا حال درج کیا۔

مقبرہ شمس الدین التمش۔

عقب ''مسجد قوت الاسلام'' واقع ہے اور مشہور و معروف ہے۔ عمارت اور قبر اس کی بہت بلند ہے [۵۴]۔

مقبرہ غیاث الدین بلبن۔

اس مقبرہ کا نام دار الامان ہے۔ شاہ موصوف نے عہد حیات اپنی میں بنایا تھا۔ یہ بات تاریخ سلاطین ہند مولفہ شیخ عبدالحق دہلوی سے ثابت ہے۔ یہ مقبرہ کچھ عمدہ نہیں ہے بلکہ بہت شکستہ ہو گیا ہے۔ متصل درگاہِ جمالی طرف شرق واقع ہے۔ حوالی منار قطب ۶۶۴ ہجری سے پہلے کا بنا ہوا ہے[۵۵]۔

مقبرہ سلطان بہلول لودھی۔

عقب مقبرہ درگاہ نصیر الدین چراغ دہلوی واقع ہے[۵۶]۔

مقبرہ فیروز شاہ۔

آبادی حوض خاص پرگنہ جنوبی میں واقع ہے۔ کنارہ حوض پر ۷۹۰ ہجری کے بعد عمارت اس کی بنی ہے[۵۷]۔

مقبرہ ہمایوں بادشاہ۔

سواد غیاث پور میں متصل کیلوکھری واقع ہے۔ ۹۷۳ ہجری میں نواب حاجی بیگم زوجہ بادشاہ ممدوح نے بہ عرصہ سولہ برس کے بہ صرف پندرہ لاکھ روپیہ کے تعمیر کروایا۔ سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے یہ عمارت نادر العصر بنی۔ برج اس کا شلجمی، بہت خوبصورت ہے اور یہ مقبرہ بہ تصرف بادشاہ دہلی ہے[۵۸]۔

مقبرہ صفدر جنگ۔

وزیر احمد شاہ بادشاہ۔ شاہ جہاں آباد سے تین کوس طرف جنوب کے واقع ہے۔

مجازی مقبرہ ہمایوں بادشاہ۔

مقبرۂ ہمایوں بادشاہ سے جانب غرب بہ فاصلہ کم از یک کروہ واقع ہے۔ قبر صفدر جنگ اس میں ہے۔ عمارت زیریں بالکل سنگ باسی سے بنی اور عمارت برج سنگ باسی اور سنگ مرمر سے بہت خوش قطع بنا ہوا ہے یہ مقبرہ بہ تصرف شاہ اودھ ہے اور بہ سعی شجاع الدولہ و اہتمام سیدی بلال خاں بہ صرف تین لاکھ روپیہ کے بنا ہے[۵۹]۔ اندر احاطہ اس کی کے دو مکان جنوبی و شمالی معروف بہ شیش محل و چاندنی محل مرتب اور آراستہ ہیں کہ اکثر رئیسان شہر اور صاحبانِ عالی شان جو بہ تقریب سیر جاتے ہیں تو وہاں فروکش ہوتے ہیں۔

مقبرہ خان خاناں۔

متصل مقبرہ ہمایوں واقع ہے۔ پتھر اس کا سب اودھڑ کر لکھنؤ کو روانہ ہوا[۶۰]۔

مقبرہ نائی۔

یہ مقبرہ ایک نائی کا مشہور ہے برج اس کا کبود کار چینی (؟) سے ہے۔ عقب مقبرہ ہمایوں بادشاہ واقع ہے۔

مقبرہ امام ضامن۔

یہ مقبرہ متصل منار قطب امام محمد علی مشہدی کا ہے کہ ان کے جیتے جی بنا تھا۔ ۹۴۴ ہجری میں بنا ہے[۶۱]۔

چشمہ کہنہ۔

یہ ایک مقبرہ ہے مرزا عزیز کوکلتاش خان کا۔ متصل درگاہ نظام الدین اندرون کوٹلہ واقع ہے۔ بالکل سنگ

مرمر سے مع سقف وفرش و دیوار سنگ مرمر سے بنا ہے اور چونسٹھ ستون اس کے ہیں۔۱۰۳۴ ہجری کے بعد کا۔

لعل بنگلہ۔

عہد ہمایوں بادشاہ کے وقت کا بنا ہوا ہے۔کسی حرم کے دفن کے واسطے بنا تھا۔ بعد اس کے شاہ عالم بادشاہ کی والدہ موسوم بہ لال کنور کا جنازہ وہاں دفن ہوا۔تب سے لعل بنگلہ مشہور ہوا اور بالکل سنگ سرخ سے ہے، متصل درگاہ نظام الدین، بہ تصرف بادشاہ دہلی ہے[۶۲]۔

نیلی چھتری۔

یہ ایک مقبرہ متصل وحوالی درگاہ نظام الدین،نواب نوبت خان کا ہے مشہور (بہ) نیلی چھتری ہے اور ایک نیلی چھتری لب جمن متصل سلیم گڑھ ہے۔ اس کو لوگ کہتے ہیں کہ یہ پانڈوؤں کے وقت کی چھتری ہے۔ یہاں پانڈوؤں نے جگ کیا تھا، یعنی برہمنوں کو بہت سا خیر وخیرات کیا تھا۔

سرائے ،دروازے

عرب سرائے۔

یہ مکان بہ طور سرائے کے نہیں ہے کہ صادر وارد کا مقام ہو۔ حاجی بیگم زوجہ ہمایوں بادشاہ جب کعبۃ اللہ سے دہلی کو آئیں تو تین سو عرب اپنے ساتھ لائیں۔سو عرب سید،سو مشائخ،سو عوام الناس۔ ان کے رہنے کے واسطے یہ سرا تعمیر کروائی ۹۷۹ ہجری میں۔اب بھی اس میں چند عرب کے گھر ہیں اور باقی اقوام متفرق رہتے ہیں[۶۳]۔

لال دروازہ۔

متصل قلعہ اندرپت۔یہ ایک دروازہ بہت بلند کھڑا ہے۔اغلب ہے کہ یہ دروازہ شہر پناہ آبادی دہلی قدیم کا ہے تا آں کہ شیر شاہ افغان نے اپنے عہد حکومت میں جو شہر بنایا تھا اس کا دروازہ ہے۔ دکاکین لعل دروازہ، جس کا ذکر آئندہ بہ تفصیل دیہات میں آوے گا،اسی دروازہ سے منسوب ہیں۔ رنگ اس دروازہ کا استرکاری میں اکثر جگہ لعل ہے۔

کابلی دروازہ۔

یہ ایک دروازہ کلاں سواد فیروز آباد میں متصل جیل خانہ سرکاری میں واقع ہے۔ یہ دوسرا دروازہ شہر دہلی کا ہے، جانب شمال۔

حوض شمشی (شمسی)۔

سواد مہرولی میں عجیب حوض وسیع ہے۔ سلطان شمس الدین التمش نے اپنے عہد میں بنایا تھا۔اس میں فی الحال قریب ۱۲۷۶ اراضی ہیں اور پہلے بہت عمیق تھا اور چار طرف سے پختہ تھا، اب اٹھ گیا ہے۔ جانب شرق اس کے فیروز شاہ نے ایک بند بنایا تھا کہ وہاں پانی رک کر قلعہ تغلق آباد کی خندق میں جاتا تھا۔ بعد مدت پانی جانا وہاں مسدود ہو گیا اور حوض مذکور کا پانی بے جا بہنے لگا۔جھرنہ کنارہ حوض مذکور پر نواب غازی الدین خان نے ایک مخرج

پانی کا بنا کرآگے اس کے حوض اور نہریں بنا دیں کہ اس میں سے پانی بہہ کر ان حوض و نہروں میں آن کر بہنے لگا۔ اس کا نام جھرنہ ہے۔ اور متصل اس کے مکانات بادشاہی بن گئے کہ ہر سال بادشاہ موسم برسات میں واسطے سیر کے وہاں تشریف لے جاتے ہیں اور ساون بھادوں کے موسم میں ایک میلہ عظیم وہاں ہوتا ہے کہ اس کا نام ''میلہ سیرِ گل فروشاں'' ہے اور گل فروش وغیرہ اقوام اس ایام میں روز پنج شنبہ مہکتے پھولوں وغیرہ کے بنا کر جھرنہ برسے درگاہ قطب پر چڑھاتے ہیں کہ اس سیر کے واسطے یہ ایک بہانہ ہے۔ بعد بے کہے چڑھنے کے لوگ ایک دو دن میں چلے جاتے ہیں۔

تال کٹورہ۔

ایک شکارگاہ ہے کہ محمد شاہ بادشاہ نے وہاں ایک باغ لطیف بنایا تھا۔ایک تالاب پہاڑ پر بنایا تھا کہ اس میں پانی جمع ہو کر بہ طور جھرنہ کے گرتا تھا۔ نیچے اس کے باغ و مکانات تعمیر کیے اور اکثر سیر و شکار کو وہاں جایا کرتے تھے۔ سرحد رایسنہ پرگنہ جنوبی میں واقع ہے بہ فاصلہ ایک کوس شاہ جہاں آباد سے۔

ہرن منارہ۔

سواد موضع ہست سال پرگنہ جنوبی میں ہشت گروہی عربی شاہ جہاں آباد۔ یہ بھی ایک شکارگاہ ہے کہ شاہ جہاں بادشاہ نے کنارہ جھیل نجف گڑھ پر ایک محل بنوا کر ایک منارہ بنوادیا تھا۔ وہ منارہ اب بھی موجود ہے۔ کچھ ٹوٹ گیا ہے اور عمارت کے بھی نشان ہیں۔ کنارہ جھیل نجف گڑھ پر اکثر واسطہ سیر و شکار کے جایا کرتے تھے۔ بند شکارخانوں میں یہ بھی ایک شکارگاہ ہے، متصل موضع ترایینہ پرگنہ جنوبی جانب غرب جنوب شاہ جہاں آباد ایک بند اور محل بنا ہوا ہے سواد فاجرہ میں۔ زمینداران فاجرہ اس میں آباد ہیں۔کچھ حال اس کا مفصل تحقیق نہیں ہوا الا وضع عمارت اور نام اس کے سے پایا جاتا ہے کہ یہ کسی حرم بادشاہی کے واسطے سیر و شکار کے بنوایا تھا۔

بند

ہشت بند۔

متصل درگاہ چراغ دہلی و مسجد گھرکی۔ یہ عمارت ایک بند کے اوپر واقع ہے۔ جانب جنوب اس کے اور پانی کے کئی نالوں عظیم سے ہیں۔ اس بند سے وہاں پانی رکتا تھا اور یہ پل سات در کا واسطے نکاسی پانی کے بنا تھا۔وہ سب در تختہ کش معلوم ہوتے ہیں۔اصل اس کی یہ معلوم ہوئی کہ جب ۷۷۶ ہجری میں فیروز شاہ بادشاہ کا بیٹا فتح خان مر گیا، بادشاہ بہت غمگین ہوا۔وزرائے غم گسار نے بہ سبب معطل رہنے کارسلطنت کے یہ ایک شکارگاہ واسطہ تفریح طبع باشاہ کی بنا کر بادشاہ کو مصروف کیا۔ اور یہ بند ایک دیوار مستحکم سوانہ لاڈو سرائے کے قریب سے ملحق کوہ تغلق آباد کے کھینچی ہے مگر کوئی عمارت بادشاہی رہنے کے وہاں معلوم نہیں ہوتی۔ کچھ کھنڈر سے تو البتہ ہیں شاید وہ محل بادشاہی ہو۔ اب صاحبانِ والا شان نے اس بند کو کہ ٹوٹ گیا ہے، پشتۂ خام سے ترمیم کر کر پانی اس کا روکا ہے کہ وہ چند گاؤں کو سیراب کرتا ہے۔

بند فیروز شاہی۔

جو سواد راج پور اور سادھورہ کلاں سے شروع ہوا ہے اور تا بہ کالی پہاڑی کہ متصل سرائے روح اللہ خان کے ہے، گیا ہے۔ کسی کتاب سے حال اس کا نہیں معلوم ہوا۔ عوام میں بند فیروز شاہی مشہور ہے۔ بعضی لوگ کہتے ہیں کہ جو ندی سحابی جے پور کی طرف سے جھیل نجف گڑھ میں آتی تھی تو اس قدر طغیانی ہوتی تھی کہ آبادی اس طرف بند کی ڈوب جاتی تھی۔ فیروز شاہ بادشاہ نے یہ بند بنوا دیا۔ یہ نقل کچھ خیال میں نہیں آتی، تھی بہ نظر تفحص خوب اس کو دیکھا تو ایک مقام پر ایک جتھہ سہ درہ دیکھا جس میں غلبہ اخراجِ پانی کے موجود ہیں اور زمین جانب غرب اس کے جس طرف گزر پانی سحابی کا ہے نشیب میں ہے اور جانب دہلی اس کا اور بھی بروج اس کے کہ جا بجا واسطے استحکام کے بنا دیئے ہیں، اسی طرف ہیں اور یہی کھانچہ جو واسطے توڑنے زور پانی کے اور حفاظت کٹاؤ کے بنایا کرتے ہیں ،اسی طرف ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بند واسطے روکنے پانی کے جو در ہالنہ نالنہ سے آتا ہے، بنایا ہوگا۔ در ہالنہ نالنہ اس احاطہ کے اندر واقع ہے اور سوائے اس چھتہ مذکورۃ الصدر کے اور کہیں نکاس پانی نالہ کا نہیں معلوم ہوتا، تو یقین پڑتا ہے کہ یہ بھی شکار گاہ فیروز شاہ بادشاہ کے دیوار ہووے۔ کیونکہ اس بند پر ایک عمارت بھی بنی ہوئی ہے، جہاں آبادی سادھورہ کلاں کی پہلے تھی۔ وہ عمارت عجب طرح کی بھول بھلیاں جیسی ہے کہ ویسی صورت بجز شکار گاہ کے اور کسی عمارت کی خیال میں نہیں آتی اور آبادی سادھورہ کی بھی کسی زمانہ میں اس پر ہوئی ہوگی۔ کچھ وہ عمارت کٹہرہ گاؤں کی نہیں ہے اور بھی ایک دروازہ کلاں بہت بلند اس پر ہے کہ اس کے دوطرف جانب غرب زینہ اترنے کے ہیں وہاں گزر ندی سحابی کا بہ طور مالہ کے رہتا ہوگا اس واسطے وہاں زینہ بنا دیئے ہیں۔ بعضی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں کشتی لگتی تھی اور یہ دروازہ بہ طور گھاٹ آمد و رفت کا تھا۔ کچھ عجب نہیں کہ پانی جس کا بہت چڑھتا ہو اور فوارہ اور ڈونڈہ اس میں جاری ہوتی ہوں جیسے اب جھیل نجف گڑھ میں ڈونڈہ جاری رہتی ہے اور کاغذات معافیات سابقہ میں بھی جانب غرب اس کے پتہ نالہ کا لکھا ہے۔ الغرض قرینہ قوی ہے کہ جو ذکر درست ہے واقع چراغ دہلی میں حال فیروز شاہ بادشاہ کی بیٹی کے حادثہ کا اور اس سبب سے قریب ہونا شکار گاہ کا لکھا ہے، وہ شکار گاہ یہی ہے، کیونکہ نشان اس کا کتابوں میں مانند تاریخ فرشتہ کے حوالی دہلی نو لکھا ہے کہ کئی کوس ایک دیوار سنگین کھینچ کر شکار گاہ بنائی اور دہلی نو اسی طرف تھی ،تو بلا شک یہ وہی شکار گاہ ہے۔

بولی بھٹیاری کا محل۔

یہ ایک محل سرحد موضع باسکونی پرگنہ جنوبی میں قلعہ کوہ پر متصل محکومیاں واقع ہے۔ کچھ حال اس کا کسی کتاب سے واضح نہیں ہوا [۶۴]۔ الا عام بات مشہور ہے کہ بوعلی بھٹی کوئی شخص تھا، یہ اس کی حویلی ہے۔ اس کے ملحق اور متعلق ایک بند بنا ہوا ہے کہ دوطرف اس کے دیوار پختہ ہے اور درمیان میں مہر اور مٹی کا ہے بہت طول نہیں ہے۔ درمیان پہاڑ کے ایک نشیب شاہی کہ اس کے پانی روکنے کے واسطے وہ بنا ہے اور اس کی نکاسی کے واسطے بھی ایک دری جس میں چند فلبہ موجود ہیں۔ روکنا اس پانی کا کچھ واسطے زراعت کے تو مفید نہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ واسطے سیر و شکار کی تیار ہوا ہے۔ جس شخص نے وہ محل بنوایا اسی نے یہ بند بنوا کر سیر گاہ اپنا مقرر کیا۔

نائی کا محل۔

یہ بھی ایک حویلی متصل باغ فولادنگر جنوبی آبادی شیدی پورہ متعلقہ پرگنہ جنوبی سرحد نابسکولی میں واقع ہے ۔حال اس کا بھی کسی کتاب سے واضح نہیں ہوا۔ الاعوام میں مشہور ہے کہ یہ محل نگاہی نامی راجپوت کا ہے۔ پٹھانوں کے وقت کی عمارت معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بھی شمال وجنوب میں ایک دیوار کلاں مستحکم بہ طور بند کے بنی اور قریب پانسو درعہ کے طول اس کا ہے ۔ یہ مکان اور بند بھی شکار گاہ معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کا پانی اس سے رکا ہے۔ اس کا پانی باغ فولادنگر کے واسطے مفید ہے۔ باغ فولادنگر اب وارثانِ حکیم منور خان کے قبضہ میں ہے، پہلے وارثانِ سیدی فولاد خان کے پاس تھا۔ گوشہ باغ کے پاس سے دیوار بند ٹوٹ گئی ہے بلکہ آگے اس سے کچھ نشان نہیں۔ جس جگہ سے پانی نکلتا ہے وہاں ایک چھوٹی سی دیوار معہ رخنوں کے مینول صاحب نے ،جن کے پاس چند سال وہ باغ رہا، بنوا دی ہے کہ پانی ٹھہر کر نکلتا ہے۔

حال پلوں کا

پل تغلق آباد۔

پرانے پل دہلی قدیم و جدید میں اکثر تھے، الاشکستہ ہو گئے، پل قائم ہیں۔ ازآں جملہ پل تغلق آباد ہے۔ یہ پل بنایا ہوا فیروز شاہ بادشاہ کا ہے کہ قلعہ تغلق آباد سے تا مقبرہ تغلق شاہ بنایا ہے۔ از بسکہ پانی وہاں رکتا ہے، واسطے آمد رفت مقبرہ کے پل بنا دیا۔ سرحد طغلق آباد میں واقع ہے متعلقہ راجہ بلب گڑھ۔

باراں پلہ۔

واقع سرحد مواضع ہوگل پہاڑی اور بہلول پور پرگنہ جنوبی دہلی سے بہ فاصلہ ساڑھے تین کوس جانب جنوب سڑک آگرہ پر عہد نورالدین جہانگیر بادشاہ میں سنہ ایک ہزار اکیس ہجری میں آغا مہربان خواجہ سرا نے بنایا ہے [۶۵]۔ نہایت مستحکم و استوار ہے۔ پانی کئی نالوں کا جمع ہوکر اس میں آتا ہے۔ گیارہ در اس پل کے ہیں ۔شاید باراں پلہ اس کا نام نسبت بارش سے ہو وہ نہ از روے شمار دروں کے۔ یہ پل بہت مفید اور قابلِ حفاظت ہے۔ چند سال ہوئے کہ سرکار دولت مدار کی طرف سے بہ اہتمام صاحب کلکٹر بہادر دہلی ترمیم اس کی ہوئی تھی۔

پل سلیم گڑھ ۔

یہ پل اب درمیان قلعہ سلیم گڑھ اور قلعہ شاہجہانی کے واقع ہے، بنوایا ہوا شاہ ممدوح کا ہے ۔نالہ جمنا اس میں سے گزرتا ہے ۔بہت مستحکم اور پائدار پل ہے [۶۶]۔

ایک پل۔

ایک پل سرحد وزیرآباد میں کنارہ لب جمن بہت بڑا بنا ہوا ہے ۔نو در اس کے ہیں اور جانب شمال تین در علیحدہ ہیں کہ چند رخنہ اس میں بنے ہوئے ہیں۔ یہ پل اختر (؟) نکاسی جھیل نجف گڑھ کا ہے ۔حال اس کا کسی کتاب سے متحقق نہیں ہوتا الا زمینداران وزیرآباد سے اتنا دریافت ہوا کہ اس پل سے ملحق جو ایک مسجد کہنہ ہے وہ مسجد اسی

پل کے ساتھ کی بنی ہوئی ہے۔ اس مسجد کے منبر پر کچکاری سے کچھ لکھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے ۱۸۱۶ء میں پڑھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسجد اور پل بادشاہانِ غوری کے بنائے ہوئے ہے۔ اب وہ کتبہ مٹ گیا۔ حقیقت میں وہ عمارت بہت پرانی ہے۔

دو پل اور راستہ فرید آباد پر ہیں۔ ایک سوانہ بدر پور، دوسرا سوانہ تاجپل پرگنہ جنوبی میں۔ پل بدر پور کی نئ مرمت صاحبانِ کلکٹر کی طرف سے ہوئی تھی۔ مدت تعمیر اور سالِ بنا اس کی کچھ دریافت نہیں ہوئی۔

ایک پل سڑک قطب پر سرحد خان پور مقبول آباد پرگنہ جنوبی میں متصل دھنولی کنویں کے مروہہ اکرام کی ذوجہ کا بنایا ہوا ہے۔ سوائے اس کے سڑک گوڑگانوں پر کئی پل جدید نالوں کے حکام عالی مقام کی طرف سے تیار ہوئے ہیں کہ ان سے تجار وغیرہ کو نہایت آرام ہو گیا۔

ایک پل جھیل نجف گڑھ کا متصل موضع ککرولہ پرگنہ جنوبی عہد مسٹر جان لارنس صاحب بہادر کلکٹر میں معرفت کمترین کے بہ صرف قریب ایک ہزار روپیہ کے ۱۸۴۶ء میں بنا ہے۔ الاتعمیر کامل اس کی اشتر کاری وغیرہ ملتوی رہی اور سلامیان دونوں طرف کی بھی نہ بنی اور اب جھیل کا کچھ اور انتظام درپیش ہے اور دو چند چوڑی اور دوگنی گہری نہر اس کی کھودی جائے گی۔ اسی حالت میں غالب ہے کہ وہ پل ردی ہو کر ٹوٹ جائے اور از سرنو سے بنے۔ ایک تاریخ تعمیر اس کی ایک قطعہ میں تصنیف کی تھی اور ارادہ تھا کہ اس پر کندہ کیا جائے۔ یہ ہے:

بنا شد چوں پل راہ نجف گڑھ
بہ سعی صاحب فرہنگ و تدبیر
اساس عدل مسٹر جان لارنس
کہ مدحش زائد است از حد تحریر
خرد سال بنائے وی رقم کرد
پل راہ نجف گڑھ گشتہ تعمیر
۱۸۴۶ مسیحی

جنتر منتر۔

یہ مکان شاہ جہاں آباد سے جانب غرب بہ فاصلہ ایک کروہ واقع ہے۔ محمد شاہ بادشاہ کو علم نجوم سے بہت شوق تھا اور خود بھی مہارت رکھتا تھا۔ واسطے اختر شناسی اور شناخت گردشِ فلکی اور سیر کواکب کے یہ ایک رصد بہ اہتمام مرزا خیر اللہ مہندس کے بنانا شروع کیا تھا کہ بہ سبب وفات شاہ ممدوح نا تمام رہ گیا[۶۷]۔

لال دگی۔

عرصہ دو سال کا گزرتا ہے کہ متصل قلعہ شاہجہانی جانب غرب اہالیان سرکار دولت مدار نے ایک حوض وسیع و عمیق دیوار و بروج سنگ سرخ سے بنایا اور درآمد پانی کے اس میں شاہ نہر سے رکھی کہ موڑ لبِ خندق قلعہ میں جاری ہو کر اس حوض کو بھرے اور نکاسی اس کی جانبِ دریا رکھی۔ اس حوض سے ایک خلق اللہ کو آسایش و آرام عام

حاصل ہوا۔

جیل خانہ۔

متصل دہلی دروازہ بیرون شہر شاہ جہاں آباد ایک سرائے ویران پڑی ہوئی تھی، اس میں سرکار دولت مدار نے بعد ترمیم مکانات محبوسان بنائے اور اب جانب جنوب اس کے اور مکانات دار الشفائے وغیرہ ایزاد کیے۔

ترپولیہ محل دار خاں۔

عہد محمد شاہ بادشاہ میں محل دار خان خواجہ سرا نے ایک باغ اور دو ترپولیہ مجادی لکھ کر بنائے کہ وہ دونوں ترپولیہ اب بھی سڑک کرنال پر علاقہ شمال میں متصل سری مندوی (؟) بہ فاصلہ یکم کروہ دہلی سے واقع ہیں۔

سرائے

سرائیں پرانی اس ضلع میں بہت تھیں، اکثر ویران ہوگئیں۔ بعضے جاری ہیں۔ اکثر خواجہ سراؤں کی بنائی ہوئی دیکھنے میں آئیں۔

سرائے بسنت۔

راستہ ریواڑی پر دہلی سے چھ کوس جانب گوشہ غرب و جنوب واقع ہے بسنت خان خواجہ سرا ے کی بنائی ہوئی ہے۔ویران ہے۔ ایک بھٹیارہ اس میں رہتا ہے اور زمینداران مالک پور بسنت نگر رہتے ہیں اور عملہ تھانہ بسنت اسی میں رہتا ہے۔ سر سڑک واقع ہے [۶۸]۔

سرائے محرم نگر۔

یہ بھی اسی راستہ پر آدھ کوس کے اس سرائے سے ہے۔ بھٹیارہ دو تین الگ اس میں آباد ہیں۔ صادر وارد مسافر بھی کوئی نہ کوئی آ رہتا ہے اور باقی زمینداران محرم نگر آباد ہیں۔ بنائی ہوئی محرم خان خواجہ سرا کی ہے اور سوانہ ۔۔۔۔عرف محرم نگر میں واقع ہے

سرائے سوبل۔

یہ بھی اسی رستہ پر مفاوت ایک کوس آگے سرائے بسنت سے ہے۔ نئی سرحد موضع منکلا پوری پرگنہ جنوبی میں ہے۔ سوبل خواجہ سرائے محمد شاہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ آبادی اقوام متفرق کی ہے۔ شکستہ بہت ہے۔ آمد شد مسافروں کی نہیں ہے۔

سرائے بدر پور۔

یہ سرائے رستہ فرید آباد، آگرہ پر دہلی سے طرف جنوب کے بہ فاصلہ دیہہ کوس واقع ہے اور بڑی سرائے ہے اور دو درجہ میں بھٹیارہ ایک اس میں رہتا ہے اور آئندو روند اکثر ٹھہرتے ہیں۔ زمینداران بدر پور بھی اس میں آباد ہیں۔ مقام پولیس بدر پور یہی ہے اور سوانہ بدر پور پرگنہ جنوبی میں واقع ہے۔ نواب روشن الدولہ نے بنائی ہے۔

سرائے خواجہ۔

یہ سرائے بھی سڑک فرید آباد پر واقع ہے. دو کوس آگے بدر پور سے بختاور خاں خواجہ سرائے کی بنائی ہوئی ہے معہ بازار و تالاب و باغ۔باغ و تالاب و بازار اب نہیں ہے۔چند درخت باغ میں ہیں۔ بازار شکستہ ہے،تالاب بھی ٹوٹ گیا ہے۔زمینداران گھوسی پور اس میں آباد ہیں اور ایک بھٹیار بھی رہتا ہے۔

سرائے گزنی خان۔

اسی سڑک پر ویرانی ہے یعنی مسافروں کی فرودگاہ نہیں ہے۔زمینداران بہلول پور مانکر وغیرہ گوجر اس میں رہتے ہیں۔سوانہ بہلول پور مانکر پرگنہ جنوبی میں واقع ہے۔

سرائے مہابت خان۔

متصل مکھولہ خضر آباد پرگنہ جنوبی اسی سڑک پر واقع ہے۔الاشکستہ و ویران ہے مطلق۔

سرائے جلینا۔

متصل تالاب بہ سنداس [۷۹] اسی سڑک پر بہ فاصلہ چھ کوس واقع ہے۔ یہ سرائے بی بی جلینا فرنگن نے عہد بہادر شاہ بادشاہ میں بنائی تھی۔صاحب اس کا بادشاہ کے ہاں واسطہ معالجہ کسی مرض کے بہ طور ڈاکٹر ملازم تھا۔کئی سو بیگہ اراضی معافی واسطے احداث باغ و سرا کے ملی تھی، چنانچہ یہ سرا بنائی۔اب آبادی بھٹیارہ وغیرہ کی اور فرودگاہ مسافران نہیں ہے۔زمینداران بہا پور پرگنہ جنوبی اس میں رہتے ہیں۔

سرائے لاہوری دروازہ۔

یہ مقام عید گاہ کا تھا، متصل شاہ جہاں آباد۔ جب سرائے مروہہ اکرام، جو پیش لاہوری دروازہ تھی بہ سبب۔۔۔۔اور پٹری شہر پناہ کی منہدم ہوگئی۔اس کے عوض میں مروہہ اکرام کو یہ سرائے ملی۔اب اس میں آمد تجار کی علی الخصوص کاروانِ کابل وغیرہ میوہ فروشان اور سوداگران اسپ بہت آتے ہیں۔

سرائے بے کس۔

یہ سرائے اندرونِ شہر متصل لاہوری دروازہ بنائی ہوئی فیض اللہ خان بیکس کی ہے اور آباد ہے۔آمد شد مسافرین کی بہت رہتی ہے

سرائے صابر بخش۔

یہ سرائے بھی اندرونِ شہر متصل دہلی دروازۂ شہر واقع ہے۔شاہ صابر بخش نے بنائی تھی۔ابتدائے عمل دارِی سرکار میں بنی تھی۔مسافر وغیرہ اترتے ہیں۔

سرائے روح اللہ خان۔

سرحد موضع چوکری مبارک آباد معمولہ پرگنہ شمال میں بہ فاصلہ دو کوس جانب غرب دہلی واقع ہے۔سڑک ہانسے پر تعمیر کی ہوئی نواب بیرم خان متوسلانِ نواب خان خاناں کی ہے کہ عہد شاہ جہاں بادشاہ میں تعمیر ہوئی تھی۔اب اس میں آبادی اقوام متفرق اور زمینداران چوکری اور سادھورہ خورد اور پنجابیوں کی ہے۔صورت سرائے کی نہیں ہے۔

سرائے سیتا رام۔

سرحد شکور پور میں سڑک مذکور پر تعمیر کی ہوئی سیتا رام خزانچی محمد شاہ بادشاہ کی ہے اور شکستہ ہے۔ صورت سرائے نہیں ہے۔ دہلی سے بہ فاصلہ تین کوس واقع ہے۔ پرگنہ شمال۔

سرائے باولی۔

یہ سرائے سڑک کرنال پر جانب شمال بہ فاصلہ چار کوس دہلی سے سرحد پیل رتھلہ معمولہ پرگنہ شمالی، تعمیر کی ہوئی نواب ملکہ زمانی زوجہ محمد شاہ بادشاہ کی۔ چار دیواری اس کی قائم ہے۔ الا آبادی زمینداران اس میں ہے اور کوئی کوئی مسافر بھی اس میں آ جاتا ہے اور ایک بھٹیارہ رہتا ہے۔

سرائے مہر پور۔

سرحد علی پور پرگنہ شمال میں، ویران مطلق ہے۔

سرائے معمور۔

سرحد معمور پور، دیہہ جاگہ شاہ اودھ معمولہ پرگنہ شمال جانب شمال دہلی، بہ فاصلہ بارہ کوس متصل تربلہ واقع سرائے کلاں تھی۔ سمبت ۱۸۴۰ء میں ویران مطلق ہو گئی۔ الاعوض اس کے اب ایک سرائے خام معمور پور میں دوسرے تربلہ میں متصل دیہم واقع ہے۔ چونکہ یہ دونوں سرائے بر سر راہ بہ قام تربلہ میں دوازدہ کروہی ومنی پوری ایک منزل ہندوستانی پر مسافرین پانی پت، کرنال، دہلی، لدھیانہ، انبالہ، لاہور، کابل وہاں اترتے ہیں۔ اکثر بھٹیارہ اس میں رہتے ہیں۔

ذکر تالابوں کا

سوائے تالاب شمشی (شمسی)، جس کا ذکر ہو چکا، پرگنہ جنوب کی طرف چند تالاب خشک مثل تالاب کشن داس اور دو ایک تالاب متصل بدر پور میں واقع ہیں اور دو تالاب شمال کے علاقہ میں ایک سرحد پیپل تھلہ میں متصل سرائے باولی عین سڑک پر۔ الا شکستہ ہو گیا ہے اور مٹی بھر گئی ہے۔ قدرے پانی اس میں رہتا ہے وہ بھی شور۔ اس واسطے کہ قرب و جوار اس کی زمین شور بہت ہے۔ اس کا جو پانی اس میں آتا ہے تو نہایت تلخ و بے مزہ ہوتا ہے۔ اس پر بھی مسافرین کی کارروائی اسی (سے) ہوتی ہے اور یہ تالاب راجہ کشن داس قوم کھتری نے عہد محمد شاہ بادشاہ نے بہ طور بن ارتھ بنایا تھا اور ایک تالاب بہ جنسہٖ متصل تربلہ سرحد معمور میں۔ قریب سڑک کرنال بہ فاصلہ بارہ کوس واقع ہے۔ الا اس میں پانی نہیں ٹھہرتا۔ قمر الدین خان کا بنایا ہوا ہے۔

ذکر درگاہوں مشہور کا

قدم شریف۔

جانب غرب دہلی بہ فاصلہ آدھ کوس کے واقع ہے [۳۵]۔ ایک پتھر پر نقش قدم حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) عرب

سے آیا تھا۔ عہد فیروز شاہ بادشاہ میں کہ قبر فتح خان فیروز شاہ کے بیٹے کے سینہ پر رکھا گیا اور فیروز شاہ نے حصار مستحکم اس درگاہ کا بنوادیا۔ اب مشہور بہ کوٹلہ قدم شریف ہے۔ سرحد جہاں نما میں واقع ہے۔ ہر پنج شنبہ کو لوگ زیارت کو جاتے ہیں اور یکم ماہ ربیع الاول سے تا بارہویں ماہ مذکور کو بہ تقریب عرس ہزار ہا آدمی زیارت کو جاتے ہیں اور ایک میلہ عظیم ہر روز ہوتا ہے اور بارہویں ربیع الاول کو ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر فقرائے مدار یہ وہاں دور دور سے زیارت کو آتے ہیں [۱]۔

درگاہ شاہ مردان۔

یہ درگاہ متصل مقبرہ صفدر جنگ، سرحد بی بی پور اور حور باغ میں واقع ہے۔ ہر مہینے کی بیسویں تاریخ لوگ زیارت کو وہاں جاتے ہیں اور رات کو وہاں رہتے ہیں اور مجلس مرثیہ خوانی کی ہوتی ہے اور سال بھر میں ایک بارہویں رجب کو میلہ روز مولود کا ہوتا ہے اور عشرہ محرم کو تعزیہ جا کر ایک مکان کر بلا میں، جس کا احاطہ مرزا اشرف بیگ کپتان بادشاہی نے بنوادیا ہے، دفن ہوتے ہیں۔اور حصار اس کا درگاہ عہد محمد شاہ میں بہادر علی خاں خواجہ سرا ناظر بادشاہی نے بنوایا ہے کہ اس کو عرصہ ایک سوکئی برس کا ہوا [۲]۔

درگارہ قطب میاں۔

یہ درگاہ سواد مہرولی میں جانب جنوب دہلی، بہ فاصلہ سات کوس کے واقع ہے۔ شیر شاہ بادشاہ نے چار دیواری اس درگاہ کے بہ فاصلہ ایک ایک تیر پرتاب کی بنوادی تھی، اب وہ منہدم ہوگئی ہے۔ چار دیواری مختصر اور بادشاہوں نے بنوادی ہے۔ چودھویں ربیع الاول ۶۳۴ ہجری کو ان کا انتقال ہوا ہے کہ اسی تاریخ ہر سال کو عرس آپ کا ہوتا ہے اور خلق کثیر جمع ہوتی ہے۔ اس درگاہ کے نواح میں اکثر اہل اللہ کے مزار ہیں اور بہ سبب اس کے اکثر بادشاہ دہلی کے وہاں اقامت ہوتے ہیں۔ مکانات بادشاہی اور شاہزادگان والا تبار اور بیگمات بہت تعمیر ہو گئے ہیں جو (جب) کہ جنگل اور پہاڑ وہاں کا دل چسپ ہے اور برسات میں بہت کیفیت وہاں ہوتی ہے، اس واسطہ اکثر لوگ وہاں جا کر بہ طریق سیر رہتے ہیں اور جو کہ ہوا اس نواح کی اچھی ہے اکثر صاحبانِ عالی شان بھی بہ طریق ہوا خوری وہاں جا کر دو دو چار چار روز رہتے ہیں۔ اکثر بیماران افواجِ سرکاری بھی واسطے تبدیل ہوا کے جا کر وہاں چند روز رہتے ہیں [۳]۔

درگاہ نظام الدین۔

حضرت نظام الدین یہ درگاہ سرحد غیاث پور میں بہ فاصلہ ڈھائی کوس دہلی سے طرف جنوب واقع ہے۔ عمارت مجر وغیرہ۔ اس درگاہ کا یہ حال ہے کہ اول مجر اس کا بادشاہانِ خلجی نے تیار کیا تھا۔ بعد اس کے سید فریدوں خاں نے عہد اکبر بادشاہ میں ۹۰۰ ہجری میں بارہ درے اور گنبد تیار کیا۔ ۱۰۶۳ ہجری عہد شاہ جہاں میں خلیل اللہ خان نے غلام گردش سنگِ سرخ سے بنائی۔ پھر نواب احمد بخش خاں نے ستون ہائے سنگ مرمر نصب کیے۔ فیض اللہ خاں بیکس نے سقف سے تیار کروائے۔ ۱۷ر ربیع الثانی ۷۳۹ ہجری کو آپ کا انتقال ہوا ہے کہ اسی تاریخ ہر سال کو بہ تقریب عرس ایک مجمع عظیم وہاں ہوتا ہے۔ شب کو لوگ وہاں رہتے ہیں، صبح ۱۸ر کو واپس آتے ہیں۔ یہ میلہ بھی بڑا

ہے کہ اکثر خلقت وہاں جاتی ہے۔ کوئی بہ نیتِ زیارت، کوئی بہ تقریبِ سیر[۷۴]۔

درگاہ روشن چراغ دہلی۔

یہ خلیفہ اعظم سلطان المشائخ حضرت نظام الدین کے ہیں، مزار آپ کا دہلی سے چھ کوس جانب جنوب واقع ہے۔ سرحد موضع چٹوارہ خو میں اب چراغ دہلی مشہور ہے۔ سلطان فیروز شاہ معتقد حضرت ممدوح نے ۷۴۹ہجری میں حین حیات حضرت میں گنبد درگاہ تیار کروایا۔ ۷۵۷ ہجری میں انتقال ہوا اور ۷۷۵ ہجری میں دروازہ درگاہ شاہ موصوف نے تیار کروایا اور ۱۱۴۳ ہجری میں محمد شاہ بادشاہ دہلی نے گرد درگاہ اور آبادی کے ایک احاطہ فصیل بہ صرف چار لاکھ روپیہ کے تیار کروایا کہ اب تک وہ موجود ہے۔ زمینداران چٹوارہ خورد اور یاقوت پور اور رائے پور وغیرہ اسی احاطہ کے اندر رہتے ہیں۔ ۱۸ رمضان ہر سال کو کہ روزِ وفات آپ کا ہے، عرس آپ کا ہوتا ہے اور لوگ جمع ہوتے ہیں۔ مگر اس عرس میں کم لوگ جمع ہوتے ہیں[۷۵]۔

درگاہ امیر خسرو۔

یہ درگاہ قریب درگاہ حضرت نظام الدین ہے۔ اونتیسویں ذی قعدہ ۷۴۵ہجری میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔ مزار آپ کا مدت تک بے مجر رہا۔ ۱۰۱۴ہجری میں عماد الدین حسن نے برجِ سنگ مرمر کا تیار کروایا[۷۶]۔

درگاہ سلطان غازی۔

یہ درگاہ سرحد ملک پور عرف رنگ پوری پرگنہ جنوبی میں بہ فاصلہ آٹھ کوس کے دہلی سے واقع ہے۔ مہرولی دو کوس جانب غرب کے ہے۔ درگاہ نامی اور عمارت عمدہ ہے اور تہہ خانہ میں قبر آپ کی واقع ہے۔ یہ شخص بادشاہ تھا مگر صاحب باطن تھا۔ ہر سال یہاں عرس ہوتا ہے، الا خلقت کم جمع ہوتے ہیں[۷۷]۔

درگاہ مولانا جمالی۔

متصل درگاہ قطب صاحب۔ قریب مینار قطب واقع ہے۔ گنبد درگاہ اور فرش اس کا بہت عمدہ بنا ہوا ہے۔ کوئی عرس وہاں نہیں ہوتا[۷۸]۔

درگاہ امام ضامن۔

یہ درگاہ بھی متصل مینار قطب کے ہے۔ حال تعمیر وغیرہ ذکر مقبرہ میں درج ہوا۔ اکثر عوام الناس کا اعتقاد اور دستور ہے کہ جو کوئی شخص کہیں سفر کو جاتا ہے صاحب قبر کو اپنے ہر امر کا کفیل کر جاتا ہے کہ اس کے مال و اعقاب کے وہ ضامن رہیں۔ کوئی عرس وغیرہ نہیں ہوتا[۷۹]۔

درگاہ سبزواری۔

یہ درگاہ سیّد شہید سبزواری کی ہے۔ سرحد موضع شاہ پور جٹ پرگنہ جنوبی میں ہے۔ ہر سال یہاں عرس ہوتا ہے۔ جار چہ کے سادات کے بزرگوں میں سے یہ شخص تھے۔ ہر سال جار چہ کے سید اس درگاہ پر آتے ہیں اور عرس کرتے ہیں جو کہ سرائے وغیرہ متعلق اس کے خالصہ سرکار میں بہ سبب عدم خبر گیری ان سیدوں کے شامل ہو گئے۔ اب جو گاڑیاں وغیرہ سیدوں کی وہاں آتی ہیں تو بہ سبب قلت جگہ کے تکلیف پاتے ہیں مگر یہ محض عدم خبر گیری کی

سے نوبت پہنچی ۔اگر بہ وقت بندوبست خبر لیتے تو سرکار کو دو تین بیگہ زمین سے کچھ غرض نہ تھی اور زمین بھی ایسی کہ متعلق درگاہ ہووے۔

درگاہ شیخ محمد صاحب۔

یہ درگاہ متصل شہر کے سرحد فیروز آباد کہادر میں کوٹلہ فیروز شاہ کے قریب واقع ہے اور شیخ محمد کے پائیں مشہور ہے ۔ہر سال اس درگاہ میں عرس ہوتا ہے اور واسطے مصارف اس درگاہ کے موضع فیروز آباد پرگنہ جنوبی بہ نام شاہ صابر بخش وغیرہ پیرزادگان معاف ہے۔

درگاہ مخدوم شاہ۔

یہ درگاہ سرحد وزیر آباد پرگنہ شمالی میں متصل چھاؤنی طرف شمال کے واقع ہے۔ ہر سال یہاں بھی عرس ہوتا ہے اور لوگ جمع ہوتے ہیں۔سو روپیہ سالانہ واسطہ مصارف اس درگاہ کے وارثان شاہ نصیر الدین کو سرکاری ملتا ہے۔

درگاہ شاہ ترکھان۔

یہ درگاہ اندرون شہر شاہ جہاں آباد متصل ترکھان دروازہ واقع ہے اور بنائے شہر شاہ جہاں آباد سے پہلے کی ہے۔ ۶۳۷ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا ہے جب سے وہ درگاہ بنی ہے۔

درگاہ سید حسن رسول نما۔

۱۱۵۳ ہجری میں آپ کا (کی) وفات ہوا (ہوئی) ہے۔ یہ درگاہ بہ فاصلہ آدھ کوس جانب غرب دہلی سرحد نرہولہ میں واقع ہے۔ ہر سال ۲۲ رشعبان کو عرس ہوتا ہے اور یہ درگاہ ایک چار دیواری سے محصور ہے[۸۰]۔

درگاہ سید خاموش۔

یہ درگاہ سرحد موضع کورسی پرگنہ شمال میں بہ فاصلہ گیارہ کوس دہلی سے طرف شمال واقع ہے۔نوگز کی قبر ہے۔ حال مفصل معلوم نہیں ۔اکثر لوگ وہاں کے کہتے ہیں کہ بارہ سو برس ہوئے کہ ولایت سے یہ شخص آئے تھے اور عرس روشنی وغیرہ چودھویں محرم کو ہوتا ہے۔

مندر

مندر کالکا جی۔

یہ معبد ہنود کا ہے ۔ابتدا اس کی کچھ معلوم نہیں ،بہت قدیم کا بیان کرتے ہیں۔ ہندو لوگ ہمیشہ واسطہ درشنوں کے وہاں جاتے ہیں ۔ہر ہفتہ میں اور سہ شنبہ کو اور ہر مہینے میں اشٹمی کو اور ہر چھ ماہی میں چیت کے اسمی اور اسوج کی اشٹمی کو میلہ عظیم ہوتا ہے اور بہت کرت سے وہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔صرف ایک کنواں وہاں ہے سو نوے ہاتھ نیچے پانی ہے۔ دہلی سے چھ کوس طرف جنوب واقع ہے۔ سرحد موضع بہتاپور پرگنہ جنوبی میں[۸۱]۔کچھ سالانہ واسطہ مصارف کے سرکار سے بھی مقرر ہے۔ پہلے موضوع بہتاپور اس کے مصارف کے لیے معاف تھا۔

مندر جوگ مایا جی۔

متصل مینار قطب واقع ہے ۔چار دیواری سے محصور ہے یہ۔ یہ مندر بھی بہت قدیمی ہے [۸۲]۔ ہر سال میں ایک میلہ عظیم وہاں ہوتا ہے۔ بھادوں سدی جو دس کو بہت خلقت جاتی ہے اور ہر مہینے کو جو دس کو بھی متفرق لوگ جاتے ہیں ۔یوسف سرائے کی سرحد میں ہے۔

مندر بیہرون۔

معروف ٹپکا براری۔ یہ مندر سرحد حیدراول، متصل کوٹھی ولیم فریزر صاحب بہادر قریب دہلی واقع ہے ۔، چار دیواری سے محصور ہے ۔ ہر اتوار کے دن شہر کے لوگ وہاں جاتے ہیں اور ایک مکان بیہرون کا معروف کھانپری کے بیرون سوانہ علی پور پرگنہ جنوبی میں واقع ہے اور کھانپری کا پتہ ہے خان پور مقبول آباد کے متصل جو واقع ہے تو بجائے خان پور کھانپر مشہور ہوا۔

مورت دیوی۔

یہ مندر سرحد تریلہ میں بہ فاصلہ بارہ کوس دہلی سے طرف شمال واقع ہے ۔وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ مورت دیوی جی کی ایک جوہر میں سے پالنوں کے ہاتھ لگی تھی۔ جب پرچا دیا یعنی کچھ کرامات دیکھائے تو مکان پختہ تیار ہوا۔ مرہٹوں کے وقت میں اور میلہ خلقت کا ہونے لگا۔ ہر ششماہی میں ایک جھٹ کو اسوج کے دوسرا چیت سدی چھٹ کو۔

شوالہ مہا دیو۔

واقع سوانہ موضع کنڈل پرگنہ شمال۔ایک لنگ مہادیو کا یہاں نصب ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ بہت قدیمی ہے۔ ایک جگہ مٹی میں دبا ہوا پڑا تھا۔گھسیارہ لوگ اس پر کر یہ کیا کرتے تھے ۔رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ یہ پرتما یعنی پیکر مہا دیو کا ہے۔ ایک بنجارہ نے ایک مکان وہاں بنوادیا، تب سے اس کی دبودت ہونے لگی ۔ بعد اس کے عرصہ چھ برس کا ہوا کہ کوسو جیرام ٹھیکہ دار کنڈل وغیرہ دیہات کے نے ایک شوالہ بہ جنسہٖ اس کے بنوا دیا ہے۔ پھاگن میں جو دس کو وہاں بڑا میلہ ہوتا ہے اکثر خلقت بیرون جات وشہر کی جاتی ہے اور ہزاروں کانوڑ یعنی شیشہ گنگا جل کے اس شہر پروارتے ہیں یعنی غسل دیتے ہیں۔ میلہ وسمادہ ہریداس سادہ یہ سمادھا موضع جھڑودہ پرگنہ شمال میں دہلی سے طرف غرب بہ فاصلہ دس گیارہ کوس حقیقت یہ ہے کہ کوئی ہرنداس نامی جاٹ سادھو ہو گیا تھا، اس نے وہاں اپنے تئیں جلا دیا تھا۔اس جگہ سمادھی اس کا بنا دیا۔ ہنود میں یہ رسم ہے کہ بہ دعویٰ شوق و جذب الٰہی اپنے تئیں زندہ جلا دیتے ہیں۔ اس شخص نے سمبت ۱۸۲۹ میں گرد اپنے لکڑیاں چنوا کر جلا دیا۔عرصہ ساٹھ برس کا ہوا کہ روہنسال ساکن جھروندہ نے اس کا سمادہ بنوادیا۔ بعد اس کے دو سادھو اور وہاں جلے ان کی بھی دو سمادھی وہاں بنی ہوئی ہیں۔ اور تینوں کی تین چھتریاں متصل بہم بنی ہوئی ہیں ۔متی جیت سودی جیت کو اورتی جیت سودی جیت کو دو مرتبہ سال بھر میں میلہ عظیم ہوتا ہے ۔اکثر جاٹ اور بعضے آدمی اقوام متفرق کے وہاں آتے ہیں اور کچھ نذر چڑھاتے ہیں اور اکثر تماشائی ہوتے ہیں۔الغرض ہزارہا آدمی وہاں مجتمع ہو جاتے ہیں۔

فصل سوم

ذکر پرگنات سابق و حال کا مع تشریحِ الفاظ و اصطلاحاتِ دفاتر سابقہ زماں :

سابق میں ''صوبہ'' ایک قسم ملک کا نام تھا کہ مرتب ہوتا تھا کئی سرکاروں سے اور سرکار مجمع کئی محالوں کا نام تھا بہ طور ضلع کے اور محال مراد پرگنہ سے ہوتی تھی اور پرگنہ میں چند ٹپہ ہوتے تھے۔ ٹپہ ایک حصہ خورد پرگنہ کا نام تھا باعتبار تحصیل تعلق شخص واحد یا باعتبار مستاجری تعلق شخص واحد کے یا باعتبار معافی تعلقہ شخص واحد کے ٹپہ کہلاتا تھا۔

موضع و قریہ ایک معنے معروف۔ اصلی موضع وہ کہ محیط ایک قطعہ اراضی کا ہو وہ آبادی اس کی خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ ویران ہو۔

سواحلی موضع وہ کہ ایک موضع اصلی میں سے ایک حصہ دار علیحدہ ہو کر رقبہ اسی موضع میں آباد ہو گیا ہو اور نام آبادی بہ نام اپنے یا جو کچھ نام چاہا رکھ لیا۔ سابق جہاں ایسا ہوتا تھا دو بہم ایک اصلی ایک داخلی لکھا جاتا تھا۔ پتہ داخلی کا موقوف نہ ہوتا تھا اور ایک حصہ اسی کا جو اصلی کا شمار میں آتا تھا بسوات علیحدہ اس کے نہ ہوتے تھے کہ وہ ۔۔۔۔ کا ہو اور کل بھی اور جہاں دو موضع اصلی جدا جدا آباد تھے اور بعد اس کے بہ انقلابات روزگار ایک آبادی دوسری کے شامل ہوگئی یا دونوں ویران ہوگئی تو بھی دو بہم اصلی لکھی جاتی تھی۔ اس طرح تین تین چار چار اور خفیف پرگنات حویلی قدیم و جدید اور حال متفرق پرگنات اور تغیر و تبدل اور متروک ہونا نام بعض دیہات کا۔ یہ بھی آئین اکبری سے واضح ہے کہ زمانِ سابق میں سرکار دار الملک دہلی اکہتر محال سے مرکب تھی۔ جو اضلاع پنج گانہ دہلی وغیرہ اب ہیں، وہ سب محالات معہ میرٹھ و باغ پت وغیرہ شرقی دریائے جمن، جو اب ضلع علیحدہ ہے، تعلق دار الملک دہلی تھے۔ تزلزل سلطنت شاہ عالم بادشاہ میں انتشار ہو گیا جب عمل داری سرکار دولت مدار ۱۸۰۳ عیسوی میں ہوئی، اس وقت تک یہی میرٹھ وغیرہ شرقی دریائے جمن تعلق دہلی تھے۔ ۱۲۱۳ فصلی حد ضلع دہلی دریائے جمن قرار پائی۔ غربی دریائے جمن اٹھائیس محال تعلق ضلع دہلی رہی، حسبِ تفصیل ذیل:

پرگنہ پالم، بوانہ، نجف گڑھ، سونی پت، پانی پت، گنور، رہتک، کہر کھودہ، کوہانہ، کرنال، مانڈوٹھی،
مہم، ہانسی، حصار، بیری، فتح آباد، تراہٹہ، سرسہ، اکروہٹہ، سلوانی، بردالہ، ریواڑی، سیسہ،
ہودل، پلول، نوح، لوہرہ، ہتین۔

۱۲۳۱ فصلی مطابق ۱۸۲۳ء تک انتظام اور کل دفتر تک انتظام اور دفتر کل محالات کا ایک جگہ رہا۔ ۱۲۳۱ فصلی میں بھرتی ہو کر چار ضلع مقرر ہوئے۔ ضلع دہلی خاص، ضلع شمالی، ضلع غربی، ضلع جنوبی۔ تعلق خاص دہلی تین پرگنہ رہی۔ حویلی پالم، بوانہ، نجف گڑھ۔

اصل ان پرگنوں کی حقیقت یہ ہے کہ اصلی نام ان پرگنات کے بہ سبب انقلابات متروک ہو گئے۔ اصلی نام یہ تھے: حویلی قدیم، حویلی جدید، مسعود آباد، پالم۔ موازنہ قانون سگویوں سے دریافت ہوتا ہے کہ پالم بہت قدیمی

پرگنہ ہے کہ عہد پانڈوان سے چلا آتا ہے ۔حویلی قدیمی و جدیدی کا یہ حال ہے کہ جہاں صدر ہر ایک صوبہ و سرکار کا رہا، وہ مقام حویلی کہلایا اور دیہات متعلق اس کے پرگنہ حویلی کہلائے۔ چنانچہ اور سرکاروں میں بھی پرگنہ حویلی درج'' آئین اکبری'' ہے ۔مثلاً حویلی قنوج و حویلی بہرائچ وغیرہ ۔جو آبادی دہلی قدیم تھی اس نے پرگنہ منسوب ہو کر حویلی قدیم نام زد ہوا اور عہد فیروز شاہ بادشاہ میں جو دہلی جدید آباد ہوئی چند گاؤں علیحدہ کر کر حویلی جدید نام رکھا اور اکثر بلکہ کل گاؤں حویلی قدیم کی طرف جنوب واقع میں شہر فیروز آباد کے اور دیہات جدید طرف شمال فیروز آباد کے ہیں ۔کوئی کوئی گاؤں متفرق ہے۔ نجف گڑھ دراصل پرگنہ مسعود آباد تھا بعد اس کے عرصہ تخمیناً اسی سال سے چند دیہات پرگنہ جھجر اور چہارسہ کے اس میں شامل ہو گئے اور عرصہ ہشتاد سال ہوتا ہے کہ نجف خاں نے اپنے عہد میں سرحد موضع فاضل پور اور نوادہ میں ایک گرہی کتبہ اندر اور باہر خام بنا کر بہ نام اپنے نجف گڑھ نام رکھا ۔اس دن سے پرگنہ نجف گڑھ بھی لکھا جانے لگا۔ تاعمل داری سرکار اکثر کاغذات وغیرہ میں مسعود آباد ہی درج ہوتا رہا۔ چنانچہ پروانہ مادھوراؤ سندھیہ کٹھرا وغیرہ عملہ پرگنہ مسعود آباد درج ہے اور اسّی برس اس حساب سے شمار کیے جاتے ہیں کہ نجف خان کو اسّی برس ہوئے ۔بوانہ پرگنہ پالم سے عہد سلطان اورنگ زیب عالمگیر ۲۲ جلوس میں بہ طور ٹپہ کے نکلا ہے۔ ٹپہ عاقبت معمور عرف بوانہ مشہور تھا.عہد شاہ عالم بادشاہ تک فرامین و اسناد میں دیہات ٹپہ مذکور معمولہ پرگنہ پالم لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ فرمان شاہ عالم محررہ ۲۱ جلوس میں موضع مغلپور تبہ بوانہ عملہ پرگنہ پالم لکھا ہے اور حویلی قدیم و جدید کے تمرنا عہد شاہ جہاں بادشاہ بہ خوبی رہی بعد شاہ مدوح کے کچھ امتیاز نہ رہا۔ پرگنہ حویلی مشہور اور مندرج دفاتر رہا۔ چنانچہ اواخر عہد شاہ جہاں بادشاہ میں ایک فرمان میں اندر پت کو پرگنہ حویلی دار السلطنت شاہ جہاں آباد لکھا ہے ۔جدید و قدیم کا کچھ پتا نہیں اور فرمان عالمگیر شاہ ابن شاہ جہاں بادشاہ میں کہیں ذکر حویلی تلفظ قدیم وجدید نہیں ہے۔ دونوں مل کر پرگنہ حویلی کہلایا ہے ۔تا عہد شاہ عالم بادشاہ پرگنہ حویلی مشہور اور مندرج دفتر رہا اور پرگنہ پالم علیحدہ رہا۔ یہاں قانون گویان ٹپہ ہے کہ اسّی برس ہوئے کہ پرگنہ پالم بھی شامل حویلی ہو کر حویلی پالم ہو گیا۔لیکن فرامین و اسناد دفتر بادشاہی میں ۲۵ جلوس شاہ عالم تک پالم الگ رہا۔ چناں فرمان شاہ موصوف محررہ ۲۵ جلوسی میں موضع ترا ینہ پرگنہ پالم درج ہے اور ایک فرمان شاہ ممدوح میں جو محررہ سنہ ۸ جلوسی موضع اندر پت کو پرگنہ حویلی دار الخلافہ لکھا ہے اور اسی اندر پت کو دوسرے فرمان ۲۹ جلوس شاہ ممدوح میں اندر پت کو پرگنہ حویلی پالم لکھا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پرگنہ پالم بعد ۲۵ جلوس شاہ عالم کے شکست ہو کر شامل حویلی ہوا اور حویلی پالم مشہور ہوا۔ اس حساب سے قریب سڑسٹھ برس کے ہوئے کہ پالم شامل ہو گیا۔ فقط

اسناد وحواشی

۱ لیکن مصنف نے بہت کم کسی جگہ، بلکہ محض فصل اول میں ایک دو حاشیوں میں، اپنے مآخذ، بشمول: آئین اکبری، خلاصتہ التواریخ از سجان رائے)، تاریخِ فرشتہ، نزہت القلوب جیسی تصانیف کے محض نام درج کیے ہیں۔

۲ سید احمد خاں نے یہ نام 'اندر پرست' لکھا ہے کہ کثرتِ استعمال سے یہ 'اندر پت' ہوگیا جو پرانے قلعے کے ساتھ موضع 'اندر پت' کے طور پر ان کے زمانے میں موجود تھا۔ آثار الصنادید، مرتبہ: حیات رضوی امروہوی، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۷ء، ص ۱۸۵؛ شاید یہ شہر ہمایوں کے مقبرے اور فیروزشاہ کوٹلہ کے درمیان والے علاقے میں بسا ہوا تھا۔ ابوالفضل نے بھی اندر پرستھ کی موجودگی کو تسلیم کیا ہے۔مہیش پرشاد عالم میں انتخاب۔دلی، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص۲۔۳

۳ یہ شہر کبھی پانڈوؤں کا دارالحکومت تھا لیکن اس کے بارے میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ یہ کوئی بڑا شہر تھا، ایضاً، ص۳؛ ہستناپور کے بارے میں مرزا سنگین بیگ نے یہ دل چسپ اطلاع دی ہے کہ دریائے گنگا کے اس پار دہلی تک ایک ہی شہر تھا اور دریائے گنگا اور جمنا اس شہر کے درمیان بہا کرتے تھے۔کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ کے بعد یہ دو جدا شہر بن گئے۔ہستناپور اسی نام سے مشہور رہا اور دہلی اندر پت کے نام سے معروف ہوئی۔مرزا سنگین بیگ، سیر المنازل، دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۴۵

۴ سید احمد خاں نے اسے زمیندار لکھا ہے جس نے اپنے نام سے ایک گاؤں آباد کیا جسے دہلی کہنے لگے۔انھوں نے ایک اور روایت یہ بیان کی ہے کہ راجہ دلیپ نے اپنے نام پر شہر آباد کیا، جب سے 'دہلی' کہنے لگے جس کا نام سید احمد خاں کے زمانے میں 'دلی' رائج ہوگیا تھا۔ص ۱۸۶۔

۵ یہ محل قطب الدین ایبک نے ۶۰۲ ہجری میں رائے پتھورا کے قلعے میں بنایا تھا۔سید احمد خان کے زمانے میں بھی اس کا نام ونشان موجود نہ تھا۔ص ۱۸۶؛ بشیر الدین احمد نے اس کا سال تعمیر ۶۰۲ ہجری/سن ۱۲۰۵ء لکھا ہے۔ص ۳۲۵؛ اور یہ کہ اس میں یکے بعد دیگرے چھے بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ص ۳۲۱

۶ یہاں سید احمد خان کے بیان کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ سمجھتے کہ یہ محل خلجی نے بنایا تھا۔ص ۱۸۷؛ مزید تفصیلات: بشیر الدین احمد، ص ۳۲۷۔۳۳۱

۷ مصنف کی لسانی تشریح کے مطابق یہ لفظ 'مرزغن' ہی ہے جب کہ سید احمد خاں نے اسے 'سرزغن' لکھا ہے۔اور اس کا سنہ تعمیر ۶۶۶ ہجری بتایا ہے۔ص ۱۸۶

۸ جب کہ مرزا سنگین بیگ نے اسے قلعہ ہی بتایا ہے۔اس کے علاوہ اس بادشاہ کے ایک اور شہر غیاث پور آباد کرنے کا ذکر کیا ہے۔ص ۱۴۰

۹ بشیر الدین احمد، واقعات دارالحکومت دہلی، حصہ سوم، آگرہ: شمسی مشین پریس، ۱۹۱۹ء، ص ۳۳۷

۱۰ یہ ایک موضع تھا جس کے پاس اسی نام کا ایک قلعہ علاء الدین خلجی نے بنایا تھا اور انتقاماً کہ مغلوں نے دہلی کو دو مرتبہ

تاراج کیا تھا، اس نے آٹھ ہزار مغلوں کے سر اس قلعے کی تعمیر میں چنوا دیے تھے۔بشیر الدین احمد، ص ۳۳۷۔۳۳۹

۱۱۔ سید احمد خان کے مطابق یہ عمارت سلطان ناصر الدین محمود غازی نے ۶۴۴ ہجری میں بنانی شروع کی تھی کہ وہ فوت ہو گیا جس کے بعد اسے غیاث الدین بلبن نے مکمل کیا۔ص ۱۸۶؛ اس عمارت کو کچھ لوگ محمد آباد اور کچھ عادل آباد کہتے تھے۔اس کی تعمیر ۷۲۵ ہجری میں شروع ہوئی تھی اور ۷۲۸ ہجری میں مکمل ہوئی۔یہ عمارت بہت نفیس تھی اور اس میں سنگِ خارا کے ہزار ستون تھے۔سید احمد خان کے زمانے میں یہ انتہائی اجڑی ہوئی اور بہ طور اصطبل استعمال میں تھی۔ص ۲۴

۱۲۔ بشیر الدین احمد کے مطابق یہ عمارت علاء الدین خلجی ہی نے سیری کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد بنائی تھی۔تفصیلات کے لیے، ص ۳۴۰۔۳۴۱

۱۳۔ سید احمد خاں نے تعمیر کا سنہ ۸۲۱ ہجری لکھا ہے۔ص ۱۸۸

۱۴۔ سید احمد خاں نے اس کی تعمیر ۸۲۸ ہجری بتائی ہے۔ص ۱۸۸

۱۵۔ سید احمد خاں کے مطابق اس قلعے کو راجہ انیک پال تنور نے بنایا تھا۔ص ۱۸۸

۱۶۔ لیکن اس نے ایک مکان بہ طور جہاں نما بنا کر اس کا نام بھی شیر منڈل رکھا، جس میں ہمایوں نے ایک کتب خانہ قائم کیا۔ سید احمد خاں، ص ۱۸۸

۱۷۔ یہاں صفحات موجود نہ ہونے کی وجہ سے عبارت یہاں سے شروع ہوتی ہے جس میں قلعۂ معلیٰ کا ذکر ہے۔

۱۸۔ اس کا اصل نام رائے پتھی راج تھا۔سید احمد خاں، ص ۱۸۶

۱۹۔ قطب صاحب کی لاٹھ کے قریب، ایضاً، ص ۱۸۶

۲۰۔ مرزا سنگین بیگ کے مطابق غیاث پور شہر تھا جسے بلبن نے بنایا تھا۔ص ۱۴۷

۲۱۔ مرزا سنگین بیگ نے تعمیر کا سنہ ۶۶۸ ہجری لکھا ہے۔ص ۱۴۷

۲۲۔ ہمایوں کے مقبرے کے نزدیک ہے۔سید احمد خاں، ایضاً ص ۱۸۷

۲۳۔ سید احمد خاں نے اس کا نام علاول لکھا ہے۔اور یہ کہ اسے سلطان علاالدین خلجی نے بنایا تھا اور 'سری' اسی کا نام رکھا تھا۔ص ۱۸۷

۲۴۔ سید احمد خان نے اس کی تعمیر کا سنہ ۷۲۵ ہجری لکھا ہے، ص ۱۸۷

۲۵۔ لیکن سید احمد خان نے اس کی باقیات سے انکار کیا ہے لیکن یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ قلعہ اس جگہ ہے جہاں اب گاؤں فیروز آباد واقع ہے۔ص ۱۸۷

۲۶۔ دریا کے کنارے ۸۲۱ ہجری میں تعمیر کیا تھا۔سید احمد خاں، ص ۱۸۸، جب کہ رام جی داس نے ذیل میں تعمیر کا سال ۸۲۱ ہجری تحریر کیا ہے۔

۲۷۔ اسی لیے اسے 'گمٹیِ خضر بھی کہتے ہیں۔مرزا سنگین بیگ، ص ۱۴۹

۲۸۔ سید احمد خاں نے یہ سن ۸۲۸ ہجری لکھا ہے، ص ۱۸۸؛ جب کہ مرزا سنگین بیگ نے ۹۰۰ ہجری لکھا ہے۔ص ۱۴۹؛ بشیر الدین احمد نے اس کی تعمیر کا آغاز ۷ ربیع الاول ۸۳۷ ہجری تحریر کیا ہے۔یہ نیا شہر جمنا کے کنارے اور غالباً خضر آباد کے پاس تھا۔لوگ اسے 'مبارک پور کوٹلہ' کہتے ہیں۔ص ۸۱

۲۹۔ چار لاکھ روپے خرچ کر کے بنایا تھا۔سید احمد خاں، ص ۱۸۸؛ ونیز مرزا سنگین بیگ، ص ۱۵۰

۳۰ ایک روایت کے مطابق یہ محل جامع مسجد کے پاس تھا۔۶۰۲ہجری میں تعمیر ہوا تھا۔ بشیرالدین احمد،ص ۳۲۵

۳۱ مرزا سنگین بیگ کے مطابق یہ محل قطب الدین ایبک نے بنایا تھا جس میں وہ رہا کرتا تھا۔ص ۱۴۷

۳۲ لوگ اسے 'لال محل' بھی کہتے ہیں۔ بشیرالدین احمد،ص ۳۲۸

۳۳ مرزا سنگین بیگ ان میں شامل ہے،ص ۱۴۸؛ سید احمد خاں بھی اس کی تعمیر جلال الدین خلجی سے منسوب کتے ہیں۔ان کے خیال میں یہ محل سلطان جی کی درگاہ کے پاس تھا۔اور یہ ۶۸۹ میں تعمیر ہوا تھا۔ص ۱۸۷؛ اس کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔بشیرالدین احمد،ص ۳۲۸

۳۴ مرزا سنگین بیگ،ص ۱۴۷

۳۵ سیداحمد خان کے مطابق یہ محل پرانے قلعے کی مسجد کے پاس واقع ہے۔مزید یہ کہ شیر شاہ نے ۹۴۳ہجری میں اس قلعے کو بنانے کے بعدایک چھوٹا سا قلعہ اور بنایا تھا اور اس کا نام بھی 'شیر منڈل' رکھا تھا۔ص ۱۸۸؛ مرزا سنگین بیگ سے روایت ہے کہ شیر شاہ نے 'شہر علائی' کو، جس کا نام 'سیری' تھا، اجاڑ کر ایک دوسرا شہر تعمیر کرایا اور اس کا نام 'شیر منڈل' رکھا۔ص ۱۵۰

۳۶ سید احمد خاں کے مطابق یہ عمارت ۷۵۵ ہجری میں تعمیر ہوئی تھی، جسے انگریزی حکومت نے گرانے کا حکم دے دیا تھا اور اس کا پتھر کسی اور جگہ استعمال کیا جانے لگا تھا۔ص ۱۸۷

۳۷ یہ توجیہ یا تشریح غالباً کسی اور مؤرخ نے بیان نہیں کی۔مرزا سنگین بیگ،ص ۱۴۸

۳۸ سیداحمد خان کے مطابق شاید یہ لاٹ ابتدا میں رائے پتھورا کے بت خانے میں لگی ہو۔ص ۸۴۔۸۵

۳۹ مصنف نے اسے واضح طور پر 'گھرکی' لکھا ہے جب کہ مرزا سنگین بیگ نے 'کھڑکی' لکھا ہے اور یہ کہ اس کے ننانوے گنبد اور چار چوک ہیں۔ص ۲۴۱۔۲۴۲

۴۰ عطاالرحمٰن قاسمی نے یہ سن ۷۸۹ہجری کھا ہے اور اس مسجد کی نوعیت و کیفیت تفصیل سے درج کی ہے۔''دلی کی تاریخی مساجد''، جلد اول، نئی دہلی: مولانا آزاد اکیڈمی، ۲۰۰۱ء ص ۷۶۔۸۰

۴۱ اس کا سنہ تعمیر معلوم نہیں لیکن سید احمد خاں کا خیال ہے کہ عہد ہمایوں کی عمارتوں کے انداز کی ہے اس لیے عہد ہمایونی کی ہوسکتی ہے اور اب ویران ہے۔ص ۹۸؛ غالباً اس کی تعمیر ۹۳۵ہجری میں ہوئی۔فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔اس میں کوئی کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔لیکن دیواروں پر خود مولانا جمالی کی دو فارسی غزلیں کندہ ہیں۔ان غزلوں اور تفصیلات کے لیے : مولوی بشیرالدین۔ص ۲۵۰۔۲۵۵؛ عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۱۳۳، ۱۳۶

۴۲ مسجد میں کل پانچ برج ہیں، جنھیں خضر خاں اور محمد شاہ نے تعمیر کرایا۔سید احمد خاں،ص ۵۵

۴۳ مصنف نے اس کی تعمیر کو ہمایوں سے منسوب کیا ہے لیکن سید احمد خان نے اس مسجد کی دل نشینی کی بے حد تعریف کی ہے۔ مثلاً عجیب قطع کے اس میں پانچ دروازے ہیں، ہر ہر محراب اور گوشے پر قرانی آیات خط نسخ، اور خط کوفی میں کندہ ہیں۔ اس کی تعمیر سنگ خارا، سنگ مرمر اور سنگ سرخ سے ہوئی ہے۔ص ۶۹؛ مزید تفصیل اس مسجد کی نوعیت و کیفیت کے بارے میں عطاالرحمٰن قاسمی نے درج کی ہیں ص ۱۶۷۔۱۷۰

۴۴ عطاالرحمٰن قاسمی نے سابقہ مصنفین : مرزا سنگین بیگ، سید احمد خاں، بشیرالدین احمد سے زیادہ اور تازہ تر صورت حال اس مسجد کے بارے میں درج کی ہے،ص ۱۹۹۔۲۲۲

۴۵ اس مسجد کو ماضی کی اس کی دل آویزی اور خوب صورتی کی وجہ سے عطاالرحمٰن قاسمی نے اسپین کی مسجد قرطبہ کے مماثل

قرار دیا ہے ۔اسے شاہ جہاں کی بیگم اعزاز النسا اکبرآبادی نے تعمیر کروایا تھا۔دہلی میں دریا گنج سے جامع مسجد کی طرف جانے والی سڑک پر واقع سبھاش چندر بوس پارک کے احاطے میں اس کے آثار موجود ہیں، عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۲۷ و بعدہٗ

۴۶؎ شاہ جہاں کی ایک بیوی نے اکبرآبادی مسجد تعمیر کروائی تھی اور ایک دوسری بیوی فتح پوری نے یہ مسجد ۱۰۶۰ہجری ہی میں بنوائی تھی۔تفصیلات کے لیے: عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۳۲۔۲۴۲

۴۷؎ یہ مسجد ۱۱۱۲ہجری میں تعمیر ہوئی تھی۔تفصیلات کے لیے: عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۴۶۔۲۵۴

۴۸؎ جو تمام تر مع فرش وچھت سنگِ مرمر سے بنی ہے اور بے مثال منبت کاری سے سجی ہے۔اس میں تین در اور تین گنبد اور دو مینار ہیں۔کچھ لوگ اسے سنہری مسجد بھی کہتے ہیں' سید احمد خاں،ص ۱۵۱۔۱۵۲؛ یہ اندرون قلعہ باغ حیات بخش سے متصل دیوان خاص سے ملحق ہے۔ بہت وسیع وکشادہ نہیں لیکن تعمیری حسن متاثر کن ہے۔عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۴۳۔۲۴۴

۴۹؎ لیکن معاصر شہادتوں کے مطابق اس مسجد کو اورنگ زیب کی اورنگ آبادی بیگم نے ۱۱۱۵ہجری میں بنوایا تھا۔یہ موجودہ دہلی ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع تھی۔۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں اسے مسمار کر دیا گیا تھا۔عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۵۵۔۲۵۸

۵۰؎ ۱۱۵۷ہجری میں روشن الدولہ نے تعمیر کرایا تھا۔یہ قاضی زادوں کی مسجد کے نام سے بھی مشہور ہے۔فیض بازار (دریا گنج) میں واقع ہے۔تفصیلات کے لیے: عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۹۴۔۲۹۶

۵۱؎ اسے نواب شرف الدولہ نے ۱۱۳۵ہجری میں تعمیر کیا تھا۔یہ علاقہ دریبہ میں کناری بازار کے موڑ پر واقع ہے اور لوگ اسے نواب صاحب کی مسجد کے طور پر جانتے ہیں۔عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۸۹

۵۲؎ یہ مسجد لال قلعے کے زیر سایہ ہے اور مغل طرزِ تعمیر کا نمونہ ہے۔ اسے نواب بہادر جاوید خان خواجہ سرا نے تعمیر کروایا تھا۔تفصیلات کے لیے: عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۶۳۔۲۶۵

۵۳؎ ایک روایت کے مطابق یہ مسجد ایک مدرسے کے ساتھ عہد شاہ عالم میں تعمیر ہوئی تھی، ابوالحسنات ندوی ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں،ص ۲۳؛ جب کہ ایک خیال یہ ہے کہ مدرسہ ۱۷۱۰ء سے قبل تعمیر ہو چکا تھا۔امداد صابری دہلی کے قدیم مدارس و مدرس،ص ۱۲۲۔یہ سنگِ سرخ سے بنی ہوئی ہے اور اس کا فرش سنگِ باسی سے بنا ہوا ہے۔اس کے تین گنبد ہیں اور صحن میں ایک وسیع وعریض حوض تھا، جو اب موجود نہیں۔مغلیہ فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔عطاالرحمٰن قاسمی،ص ۲۸۶

۵۴؎ اس کی تعمیر کا سن نہیں معلوم، لیکن ۶۳۳ ہجری التتمش کا سن وفات ہے اس لیے سلطان رضیہ سلطانہ اور فیروز شاہ کے عہد میں بنا ہوگا۔عمارت باہر سے سنگ خارا اور اندر سنگ مرمر اور سنگ سرخ سے بنی ہے۔تمام در و دیوار پر آیات قرانی کندہ ہیں۔سید احمد خاں،ص ۸۸؛ ان آیاتِ قرانی کو مرزا سنگین بیگ نے نقل کیا ہے،ص ۱۰۴۔۱۰۶

۵۵؎ اس مقبرے کی تعمیر، سال، نوعیت اور کیفیت کے بارے میں دیگر مآخذ خاموش ہیں، لیکن مولوی بشیر الدین نے اس کی کیفیت تحریر کی ہے۔ص ۳۲۷۔۳۳۰

۵۶؎ اس کے تعویذ پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔مرزا سنگین بیگ،ص ۲۴۰؛ یہ مقبرہ عجیب وضع کا بنا ہوا ہے۔نیچے بارہ در اور اوپر پانچ برج ہیں۔بے مرمت پڑا ہے کہ ملازمین نے اپنی دیواریں بنا کر اس میں رہائش اختیار کر لی ہے۔سید احمد خاں،ص ۳۶

۵۷؎ اس کے دروازے اور محرابوں پر جو جو کچھ لکھا ہوا ہے، مرزا سنگین بیگ نے انھیں نقل کیا ہے۔چھت پر مکمل آیت الکرسی اور اللہ کے ننانوے نام تحریر ہیں۔ص ۲۴۶

۵۸ شہنشاہ اکبر نے چوتھے سال جلوس (۹۷۳ہجری) میں اس کا سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ مرزا سنگین بیگ، ص ۲۳۳؛ یہاں ان افراد کا ذکر کیا گیا ہے جو ہمایوں کے مقبرے میں دفن ہیں، ایضاً؛ اس مقبرے کی تعمیر میں اس کی دل کشی اور لطافت میں اس کا جواب نہیں۔ اس کے دروازے گویا بہشت کے دروازے ہیں۔ سید احمد خاں، ص ۵۱

۵۹ اس کی تصدیق مرزا سنگین بیگ سے بھی ہوتی ہے۔ ص ۸۹

۶۰ درگا نظام الدین اولیا کے پاس واقع ہے۔ بہت نفیس تعمیر تھی اور سنگ مرمر اور سنگ سرخ سے بنا ہوا تھا۔ سارا پتھر اور تعویز اکھیڑ کر آصف الدولہ نے لکھنؤ منگوالیا تھا۔ سید احمد خاں، ص ۴۹

۶۱ متصل مینارۂ قطب واقع ہے۔ مرزا سنگین بیگ۔ ص ۱۰۶؛ تعمیری تفصیلات اور حالات و کیفیت کو بہت تفصیل سے مولوی بشیر الدین نے بیان کیا ہے۔ ص ۲۱۹۔۲۳۲

۶۲ اس میں دیگر بیگمات بھی دفن ہوئیں، جن میں سے چند کا حوالہ مرزا سنگین بیگ نے دیا ہے۔ ص ۱۱۸، ۲۳۳۔۲۳۴

۶۳ مرزا سنگین بیگ کے مطابق اس سرائے کو جہانگیر کی بیگم مہر بانو نے تعمیر کرایا تھا، جس کا نام مشرقی دیوار پر لکھا ہے۔ ص ۸۴، ۸۷

۶۴ یہ دراصل 'محل بولا' تھا جو عرف عام میں 'محل بولی بھٹیاری' ہوگیا۔ بعض کتابوں میں اسے 'محل دیول رانی' اور اس کے قصے سے مناسبت دی گئی ہے۔ مرزا سنگین بیگ، ص ۶۲

۶۵ اس کے ایک بالائی مقام پر سنگِ سرخ استعمال ہوا ہے جس پر جہانگیر کی مدح میں ایک فارسی غزل تحریر ہے۔ اسے مرزا سنگین بیگ نے نقل کیا ہے۔ ص ۸۷۔۸۸

۶۶ اس پل کو جہانگیر نے بنایا تھا اور اس کی مشرقی دیوار پر سنگ مرمر پر اس کی مدح میں ایک قطعہ تحریر ہے، جسے مرزا سنگین بیگ نے نقل کیا ہے۔ ص ۱۱

۶۷ خیر تاللہ مہندس کے علاوہ اس کی تعمیر میں جے پور کے رہائشی تین افراد بھی شریک تھے۔ تعمیر کی تفصیلات کے لیے، مرزا سنگین بیگ، ص ۶۳۔۶۴

۶۸ یہ اور ذیل کی دیگر سرائے کا ذکر مرزا سنگین بیگ، ص ۶۳، ۸۷۔۸۸ وغیرہ میں ہے۔

۶۹ غالباً ایک سرائے 'کشن داس' کا ذکر مرزا سنگین بیگ، ص ۸۸ میں ہے، جو یہی ہے۔

۷۰ فراش خانۂ شہر پناہ کھڑکی سے تکیۂ فقیر کے سامنے واقع ہے۔ مرزا سنگین بیگ، ص ۵۴

۷۱ لوگ قبر کے اوپر سنگ مرمر کا کٹرہ لگا ہوا ہے اس میں پانی بھرتے ہیں اور قدم شریف کو دھوکر وہ پانی بہ طور تبرک دور دور لے جاتے ہیں اور یہ شعر پڑھتے ہیں:

اے خضر دل اس کے پیے سے نجات ہے — پانی قدم شریف کا آبِ حیات ہے

۔۔۔۔۔ سید احمد خاں، ص ۱۲۹

۷۲ اس درگاہ کی تاریخ اور نوعیت و امتیاز پر ایک مستقل و مبسوط تصنیف ڈاکٹر خلیق انجم نے لکھی ہے جو اس درگاہ کے بارے میں خاصی معلوماتی ہے۔ شائع کردہ نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۳ء؛ یہ ایک مکان ہے اور اس جگہ پتھر کا ایک نشان بنا ہوا ہے جسے لوگ حضرت علی کے قدم کا نشان بتاتے ہیں۔ اس نشان کو سنگ مرمر کے حاض میں جمایا گیا ہے اور اس کے کنارے یہ شعر کندہ ہے:

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

-----سید احمد خاں، ص ۱۱۷

۷۳۔ تعمیراتی تفصیلات مرزا سنگین بیگ نے تحریر کی ہیں۔ص ۱۰۸۔۱۰۹

۷۴۔ مرزا سنگین بیگ،ص ۸۰۔۸۵؛ سید احمد خاں نے بہت تفصیل سے اس درگاہ کی تعمیراتی صفات،خصوصیات اور نقشہ کشی کی ہے اور عصری حالت و کیفیت بیان کی ہے۔ص ۵۲۔۵۴

۷۵۔ تعمیراتی تفصیلات کے لیے،مرزا سنگین بیگ،ص ۹۲۔۹۳؛ و نیز سید احمد خاں،ص ۳۴۔۳۵

۷۶۔ مزید تعمیراتی تفصیلات سید احمد خان نے تحریر کی ہیں۔ص ۶۵

۷۷۔ سید احمد خاں نے اسے بہت نفیس ولطیف اور دل چسپ و دل کشا، فرحت بخش و دل ربا مقبرہ لکھا ہے۔یہ قطب صاحب سے دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔سلطان شمس الدین التمش نے ۷۲۰ ہجری میں تعمیر کیا تھا۔سید احمد خاں کے زمانے میں اس مقبرے کے احاطے میں مکان اور جانبِ مغرب ایک چھوٹی سی سنگ مرمر کی بنی مسجد ہے۔بیچوں بیچ میں ایک غار ہے جس میں پندرہ سیڑھیاں اتر کر اندر جاتے ہیں۔نیچے حضرت کی قبر ہے۔ص ۱۱۴۔۱۱۵

۷۸۔ ان کا انتقال ۹۴۲ ہجری میں ہوا تھا۔درگاہ کی کچھ تفصیلات سید احمد خاں نے درج کی ہیں،ص ۹۸؛اس کی تعمیر بابر بادشاہ کے زمانے کی ہے۔مولانا جمالی کے حالات و کمالات اور شاعری کا مفصل تعارف اور درگاہ کی تعمیراتی تفصیلات مولوی بشیر الدین نے درج کی ہیں،ص ۲۵۰۔۲۵۶

۷۹۔ یہ مقبرہ امام محمد علی مشہدی کا ہے جو امام ضامن کے نام سے معروف ہیں۔خود امام مشہدی نے ۹۴۴ ہجری میں اپنے لیے یہ مقبرہ تعمیر کروایا تھا۔سید احمد خاں،ص ۹۷

۸۰۔ مرزا سنگین بیگ،ص ۶۲؛ یہ درگاہ زیرِ آسماں واقع ہے اور مزار کے سرھانے یہ شعر کندہ ہے:

حسن رسول نما افتخارِ آلِ حسن اویس قرنیِ ثانی و ثالثِ حسنین

---- سید احمد خاں،ص ۱۳۰

۸۱۔ تغلق آباد سے ڈھائی کوس اور چراغ دہلی سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔مرزا سنگین بیگ،ص ۹۳

۸۲۔ مرزا سنگین بیگ،ص ۱۰۷